محبّتوں کے شہر میں
شائستہ مفتی
عقابی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محبتوں کے شہر میں

محبتوں کے شہر میں اکیلی مَیں اکیلے تم۔۔۔
تمھاری اِن نگاہوں کے جو خواب پڑھ رہی تھی میں

محبتوں کے شہر میں

شائستہ مفتی

باذوق لوگوں کے لیے
ہماری کتابیں
خوبصورت کتابیں
تزئین واہتمام اشاعت

خالد شریف

ضابطہ

اشاعت	:	جنوری 2019
ناشر	:	ماورا پبلشرز، لاہور
کمپوزنگ	:	طارق محمود (0345-4690652)
طابع	:	شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور
قیمت	:	-/600 روپے

خوبصورت کتب کی اشاعت کے لیے رابطہ

MAVRA BOOKS
60-The Mall, Lahore.
Ph: 92 42 36303390
Mob: 0300-4020955
e-mail: **mavrabooks@yahoo.com**
khalidsharif1847@gmail.com

انتساب

امی پاپا کے نام

جن کی معصوم سی جنت نے مجھے خواب دیکھنا سکھایا۔

شائستہ مفتی

عقابی

ترتیب

غزلیں نظمیں

عہدِ حاضر کی نمائندہ تخلیق کار

شائستہ مفتی کا تازہ شعری مجموعہ ''محبتوں کے شہر میں'' اُس کے مطالعے، مشاہدے اور فکری تعملات کے تخلیقی اظہار کی دستاویز ہے جس میں شائستہ کا ایک منفرد اور جدا اسلوب نموکاری اور نموداری کے بہت سنجیدہ عمل سے گزر کر اپنا متعارف آپ بن گیا ہے اور یوں شائستہ مفتی کی تخلیقی تاب وتواں اس کی پہچان بن گئی ہے۔

اس شعری پیشرفت اور موثر طرزِ اظہار کے منظرنامے میں شائستہ مفتی کی علم دوستی، ادب، آرٹ اور ثقافتی سلسلوں سے عملی طور پر منسلک رہنا بھی ہے۔ آج کے شعری منظرنامے میں زیادہ تعداد ان تخلیق کاروں کی ہے جو ذاتی جذبوں اور آگہی کی عام سطحوں پر رہتے ہوئے اپنی اور اپنے زمانے کی پہچان کرانا چاہتے ہیں۔ عہد بہ عہد کے حوالے سے ایک محدود مطالعہ اور سرسری مشاہدہ ان کو کتنا اُجال سکتا ہے اس بات کا احساس انہیں کم کم ہوتا ہے۔ شائستہ مفتی سراسر مطالعے سے جڑی ہوئی شخصیت ہے۔ شائستہ دلجمعی سے پڑھتی ہے۔ اپنے جہاں کا احوال بھی اور عالمگیر سطح پر جو لکھا جا رہا ہے اس پر بھی نظر ڈالنے کی تگ و دو میں ہمہ وقت مستعد رہتی ہے۔ پھر یہ بھی کہ وہ ایک اچھی پینٹر بھی ہے۔ مصوّری سے شغف نے نئی جمالیاتی کیفیات اور نئے منظرناموں کی تشکیل میں اس کی بھرپور معاونت کی ہے اور یوں مجموعی طور پر ان ساری دلچسپیوں کی چھوٹ بھی اس کی شاعری کو اُجلا اُجلا اور

روشن بنانے میں شامل نظر آتی ہے۔ سو تازہ کاری کی ایک نئی فضا شائستہ مفتی کی شاعری میں در آئی ہے اور اپنے قدم جما چکی ہے۔

اب یہ بات شائستہ مفتی کے استحقاق میں شامل ہے کہ اُسے علم اور دانش و بینش سے آراستہ اس گروہِ سخن وراں میں شامل کیا جائے جو اپنی گیرائی میں محدود سہی مگر اہمیت میں فزوں تر ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ شائستہ اس گروہ میں عہدِ حاضر کی نمائندہ تخلیق کار کے طور پر نمایاں نظر آتی ہے۔

شائستہ مفتی کے پہلے اثر طراز شعری مجموعے کے بعد دوسرا مجموعۂ سخن ''محبتوں کے شہر میں'' چہرہ نمائی کے مرحلوں میں ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ اس شاعری کے جلو میں عرفان و آگہی کی نئی رونقیں اور نئے بیانئے روشنی سی پھیلاتے ہوئے رواں دواں ہیں۔ شاید نئے امکانات کے سراغ میں یہ سفر ایک اور معنی آفریں سفر کا پیش خیمہ بھی بن سکتا ہے۔

شائستہ مفتی اعلیٰ تعلیم یافتہ، حلیم الطبع، مثبت سوچ کی حامل ایک دلپذیر شخصیت ہے مگر نمود و نمائش سے کوسوں دور بردباری اور سنجیدہ روی کے ساتھ اپنے تخلیقی سفر کو جاری رکھے ہوئے ہے۔ میں شائستہ مفتی کو اس کے دورِ طالب علمی سے ہی جانتا ہوں اور اس کی صلاحیتوں کا معترف بھی ہوں سو اس کے لیے دعائیں اور نیک تمنائیں ہمیشہ رہی ہیں۔ مبارکباد اور دلی دعاؤں کے ساتھ رخصت چاہتا ہوں۔

(پروفیسر ڈاکٹر) پیرزادہ قاسم

کراچی

مئی ۲۰۱۸ء

☆☆☆

محبتوں کے شہر میں

'ہوا کے ہاتھ' کے بعد یہ شائستہ مفتی کا دوسرا شعری مجموعہ ہے جو کم و بیش نو برس کے وقفے سے شائع ہو رہا ہے اگرچہ دونوں کتابوں میں نظموں کے ساتھ ساتھ غزلیں بھی شامل ہیں مگر میری ذاتی رائے میں یہ خاتون بنیادی اور فطری طور پر نظم کی شاعرہ ہیں کہ غزل میں عمومی طور پر ایک ہجوم کی سی کیفیت ہوتی ہے جبکہ نظم قافلے کی طرح ایک طریقے اور سلیقے سے سفر کرتی ہے۔ غزل قافیے اور ردیف کی کھنک مانگتی ہے جبکہ نظم میں استعمال ہونے والے ہر لفظ اپنی دنیا آپ پیدا کرتا ہے۔ شائستہ مفتی کی غزل میں اچھے اشعار تو خاصی تعداد میں ہیں مگر غیر معمولی شعر کبھی کبھی ہی ہاتھ آتا ہے جب کہ اُن کی بیشتر نظمیں توجہ طلب بھی ہیں اور خیال افروز بھی۔

اچھی نظم آغاز سے انجام تک زنجیر کی کڑیوں کے انداز میں سفر کرتی ہے کہ مصرعے سے مصرعہ اور خیال سے خیال ملتا اور نکلتا چلا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر شاعر اپنے ہی سوچے ہوئے موضوع اور تراشے ہوئے آہنگ کے جادو میں کھو جاتے ہیں اور اصل نظم کہیں پیچھے رہ جاتی ہے یا کئی بار ختم ہونے کے باوجود ختم نہیں ہو پاتی۔

شائستہ مفتی کو نظم کہنے، بنانے اور ختم کرنے کا ڈھنگ آتا ہے۔ ان کی زیادہ تر نظمیں پندرہ بیس لائنوں پر مشتمل ہوتی ہیں اور محدود سی مہلت اور وسعت میں وہ نظم کو اس مہارت سے کھولتی، اٹھاتی اور بند کرتی ہیں کہ قاری ایک بچے کی طرح شاعرہ کی انگلی پکڑ کر اس کے ساتھ چلنا شروع کر دیتا ہے اور تھکے بغیر چند ہی لمحوں میں ایک جہانِ معنی کا سفر طے کر لیتا ہے۔

اُمید واثق ہے کہ یہ کتاب بھی اپنے قارئین کو مایوس نہیں کرے گی۔

امجد اسلام امجدؔ

☆☆☆

شائستہ مفتی کی شاعری

شائستہ مفتی ایک فطری شاعر ہے۔ نظم ہو یا غزل اس کے ہاں الفاظ فطری روانی سے ظہور کرتے ہیں۔ وہ بات بناتی نہیں بلکہ ایسا لگتا ہے کہ اس نے اپنے اظہار کے لیے جس ڈکشن یا لفظیات کا، شعوری یا غیر شعوری سطح پر انتخاب کیا ہے وہ خود بخود شعر کے پیکر میں ڈھلتی چلی جاتی ہے۔ فکری سطح پر معنی اس کے لیے اتنے اہم نہیں لگتے۔ وہ الفاظ سے احساس کا ہیولہ تخلیق کرتی ہے، ایک نقش بناتی ہے اور یہی نقش کامیابی سے مرتب ہو کر پڑھنے والے کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ شائستہ کی غزل اور نظم کا مزاج بالکل ایک سا ہے، یعنی ان میں ایک دوسرے کی توسیع ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ دونوں کی حسی کائنات ایک ہی ہے۔ اس کی نظم میں البتہ زیادہ امکانات نظر آتے ہیں۔ وہ ایسی نظم لکھتی ہے جس کی نثر کرنا ممکن تو ہے لیکن اس سے حاصل کچھ نہیں ہوگا۔ عام طور پر کسی خیال کو منظوم کر دینے کو نظم سمجھا جاتا ہے۔ ایسی نظم لکھنے کا خاصا رواج ہے۔ وہی بیانیہ جس کا ایک حتمی انجام ضرور ہوتا ہے۔ ایسی نظم نقش کی بجائے linear narrative بن جاتی ہے۔ میں ذاتی طور پر سمجھتی ہوں کہ جس بات کو نثر میں بیان کیا جا سکے اسے محض منظوم پیرائے میں بیان کر دینا، شاعری کی ایک قسم تو ہے لیکن بہترین قسم نہیں ہے۔ شائستہ نظم میں قافیے کا بہت استعمال کرتی ہے، اسے آفاقی مضامین سے بوجھل نہیں کرتی، کوئی ایسی پیچیدہ بات بھی نہیں کرتی لیکن اسے بیانیہ بنانے کی

بجائے ایک نقش میں تبدیل کر دیتی ہے۔اس نقش میں نہ بات پوری ہوتی ہے نہ اتنی ادھوری کہ اس کی ترسیل نہ ہو سکے اور یہی خوبی اس کی نظم میں دل کشی اور تاثیر پیدا کرتی ہے۔ 'کہی ان کہی'، 'محبت دائمی سکھ ہے' ، 'دل کی دہلیز' اور 'رات تنہائی ہے' جیسی نظمیں اسی قبیل کی نظمیں ہیں۔شائستہ کے اسی نظمیہ اسلوب میں مجھے امکانات نظر آتے ہیں جنھیں مزید دریافت کرنے کی ضرورت ہے۔امید ہے کہ وہ اپنی تلاش کو جاری رکھے گی، کہ تخلیقی سفر میں تلاش کا راستہ ہی زیادہ زرخیز ہوا کرتا ہے۔

یاسمین حمید

''ایک قلم، ایک کتاب''

''اس کے سوا ہماری بھلا ہو بساط کیا؟''

ایک شاعر کی بساط صرف اس کے سوا اور کیا ہوگی کہ وہ شعر کہتا رہے، سننا یا نہ سننا لوگوں پر منحصر ہے۔ شاعر تو وہ دیوانہ ہوتا ہے جو پہلے دن سے ہی گھاٹے کا سودا کرتا ہے۔ اپنے انجام سے بے پرواہ وہ اپنی ہی دھن میں شعر کہتا چلا جاتا ہے۔ اپنے خیالات کو کسی غیر مرئی طاقت کے زیرِ اثر سجانے اور سنوارنے سے اُسے فرصت ہی نہیں ملتی اور یوں یہ خسارے کا کاروبار دن دونی رات چوگنی ترقی کرتا جاتا ہے۔

چکی کے پاٹ کی طرح مہینوں کی ریاضت اور محنت کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ الفاظ ایسا روپ دھار لیتے ہیں کہ تغزل کا گماں ہونے لگتا ہے۔ لکھاری کے قلم کی نوک سے نکلا ہوا ہر لفظ ٹھیک نشانے پر اُسی وقت ہی لگتا ہے جب اُسے دردِ دل کی دھیمی دھیمی آنچ پر سینکا جائے۔

زندگی کو پرکھنا شاید اِتنا آسان نہیں۔ ہر ذرّہ میں ایک نیا جہان تلاش کرنے والی آنکھیں جانے کون کون سے مناظر کی تمنا لیے اَن گنت تجربات سے گزر جاتی ہیں مگر تشنگی کا احساس پھر بھی باقی رہتا ہے۔ جیسے دریا کے کنارے بیٹھ کر بھی پیاسا رہنا۔

زندگی کے اُفق پر نیا سورج کب نکلتا ہے اور کب غروب ہوتا ہے؟ یہ کوئی کیا جانے؟ اچھے وقتوں کی تمنا کس کے دل میں نہیں ہوتی؟ ہر دل اپنی تنہائی کا کاسہ لئے در در بھٹک کر

کچھ کھوٹے سکے جمع کرنے کی آرزو لئے در بدر کی ٹھوکریں کھاتا ہے، مگر کہیں دست سوال دراز کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تو کہیں خالی آنکھوں سے لوٹ آنا پڑتا ہے۔

کبھی کبھی مجھے انسان کی حقیقت پر بہت افسوس ہوتا ہے۔ یہ قدرت بھی کیا چیز ہے؟ ایک انسان کو اتنے سارے تضادات میں تنہا چھوڑ دیتی ہے اور انسان اپنے ہونے یا نہ ہونے کا جواز ہی ڈھونڈتا رہ جاتا ہے۔

تخلیق کی آگ ایک ایسی آگ ہے جو انسان کو کبھی چین نہیں لینے دیتی۔ ایک پریت کی طرح انسان میں سما جاتی ہے، سکون کا ایک لمحہ بھی دل میں سمانے نہیں پاتا ہے اور یہی دراصل آرٹ ہے جو درد و غم کی بھٹی سے پک کر نکلے۔

فریدالدین عطار (1119 AD - 1220 AD) نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ:

''تم کب تک حسن تلاش کرتے رہو گے؟ کسی اَن دیکھے کو تلاش کرو، حسن خود بخود ظاہر ہو جائے گا اور جب آگہی کا آخری پردہ بھی گر جائے گا تو نہ انسان رہے گا اور نہ اس کی شان باقی رہے گی۔ یہ دنیا ماند پڑ جائے گی اور سب کھیل تماشہ ختم ہو جائے گا۔''

شاعر شاید آگہی کے آخری پردے تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس کے لئے وہ آرٹ کا سہارا لیتا ہے۔ یہ آرٹ ہی تو ہے جو کہ انسان کو در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کرتا ہے اور اِس پارس پتھر کو چھونے سے انسان کو سونا بنا دیتا ہے۔ آگہی کی روشنی ہمیں آگے ہی آگے بڑھنے پر مجبور کرتی رہتی ہے۔

Edge Allan Poe نے ایک جگہ لکھا ہے:

"Poetry is the rhythmical creation of beauty in words"

الفاظ ہی تو ہیں جو ہماری ذہنی سطح کو بلندیوں پر لے جاتے ہیں۔ جب ہم شاعری

کرتے ہیں یا پڑھتے ہیں تو اِسی کائناتی شعور میں اضافہ کرتے ہیں۔

میں سمجھتی ہوں کہ تخلیقی صلاحیت ہی زندگی کا اصل حاصل ہے جس کی بنیاد سچائی اور حقیقت پر رکھی جاتی ہے۔ شاعری فلسفہ ہے اور فلسفہ انسانی زندگی کا مکمل تجزیہ Sigmund Freud نے ایک جگہ کہا تھا کہ:

"Every where I go I find that a poet has been there before me"

شاعری کا سفر وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں آوازیں ماند پڑ جاتی ہیں، یادداشت میں سرسرانے والے خیالات قرطاس پر بکھر جاتے ہیں۔ اُس خوشبو کی مانند جو کتابوں میں رکھے پھولوں سے آتی ہے، یہی خوشبو ہمیں یقین دِلاتی ہے کہ بہار پھر سے آئے گی اور چمن پھر سے مہکے گا۔

میری پہلی کتاب ''ہوا کے ہاتھ'' ۲۰۰۹ میں منظرِ عام پر آئی تھی۔ اس کتاب کی بازگشت میں ہی میں نے اپنی دوسری کتاب کی تیاری کی مگر ۲۰۱۹ آ گیا۔ تقریباً دس سال کے وقفے کے بعد اب یہ کتاب اس شکل میں موجود ہے کہ اُسے قارئین کے سامنے رکھا جاسکے۔ کتاب چھاپنے سے پہلے جو سب سے مشکل مرحلہ تھا وہ تھا اپنے کلام میں سے کتاب کے لئے کلام منتخب کرنا۔ اب جب کہ یہ کتاب چھپنے جارہی ہے تو قریباً پچاس فیصد کلام اب بھی غیر مطبوعہ رہ گیا ہے۔

آخر میں میں اپنے تمام دوست، احباب، رشتہ داروں اور اپنے اہل خانہ کی بے حد ممنون ہوں جنھوں نے مجھے دوسری کتاب کے لئے ذہنی طور پر آمادہ کیا۔ اپنے والدین کی بے حد مشکور ہوں جن کی چھوٹی سی بسائی ہوئی جنت میں میں نے خواب دیکھنا سیکھا۔

شائستہ مفتی

حمد

مجھ پر مرے اللہ کی اک خاص نظر ہے
ظلمت کی شبِ دہر میں آسان سفر ہے

عاصی ہوں مگر پھر بھی بلایا ہے حرم میں
انسانوں کی اِس بھیڑ میں تنہا وہ قمر ہے

احوال جو پوچھا تو بتائیں گے اُسے ہم
دل درد سے بوجھل ہے تو چھلنی یہ جگر ہے

فانی ہے جو دنیا تو حقیقت ہی نہیں اب
گمنام ہے ہستی کہ کوئی خاص خبر ہے

بے نام ستارے کی طرح کھو گئے اکثر
یہ شہر کہ دنیا میں فقیروں کا نگر ہے

سب درد و الم محو ہوئے ایک نظر سے
اِس دل پہ جو اللہ کی رحمت کا اثر ہے

نعت

خاموش ہیں الفاظ کھلا دستِ دعا ہے
اشکوں کی روانی میں ترا شکر بجا ہے

گلیوں میں تری گھوم رہے ہیں بلا مقصد
پانے کے لئے خود کو تجھے سونپ دیا ہے

ہر پل تُو ہی موجود ہے تنہا مَیں نہیں ہوں
احساسِ سکوں تیری محبت میں مِلا ہے

دکھ درد زمانے کے کہیں کھو گئے یکسر
اِس گنبدِ خضریٰ نے جو سائے میں لیا ہے

ہے شانِ مدینہ کہ ہے ہر فرد ہی مسرور
اِس شہر نے ہر شخص کی جھولی کو بھرا ہے

اے کاش کہ اب لوٹ کے آؤں نہ وہاں سے
وہ نور کا منبع جو تخیّل میں بسا ہے

مسجد کے اُسی صحن میں تھم جائیں یہ گھڑیاں
جس صحن کے ہر گوشے میں جنّت کی ہَوا ہے

ہر شاہ و گدا تیرا سوالی ہے حرم میں
انسان کی اوقات کا عقدہ یہ کھلا ہے

○

تجھ کو پکارتے ہیں بڑی بے کلی سے ہم
واقف ہیں ربِّ کعبہ تری ان کہی سے ہم

جب سے کھلا ہے نورِ حقیقی کا رازِ کُن
ملتے ہیں اِس جہاں سے بڑی بے دلی سے ہم

اپنی نظر میں ظاہر و باطن ہے تُو ہی تُو
پی کر تری نظر سے گئے مہ کشی سے ہم

منزل پہ آ لگے تو سفر یاد آ گیا
پہنچے ہیں تیرے دَر پہ بہت کج روی سے ہم

اِک لمحۂ عطا نے دیا ہے سکونِ قلب
بیٹھے ہیں رہ گزر پہ بڑی عاجزی سے ہم

حمد و ثناء میں مست ہیں سیارگان بھی
دھمّال ڈالنے کو چلے سرخوشی سے ہم

○
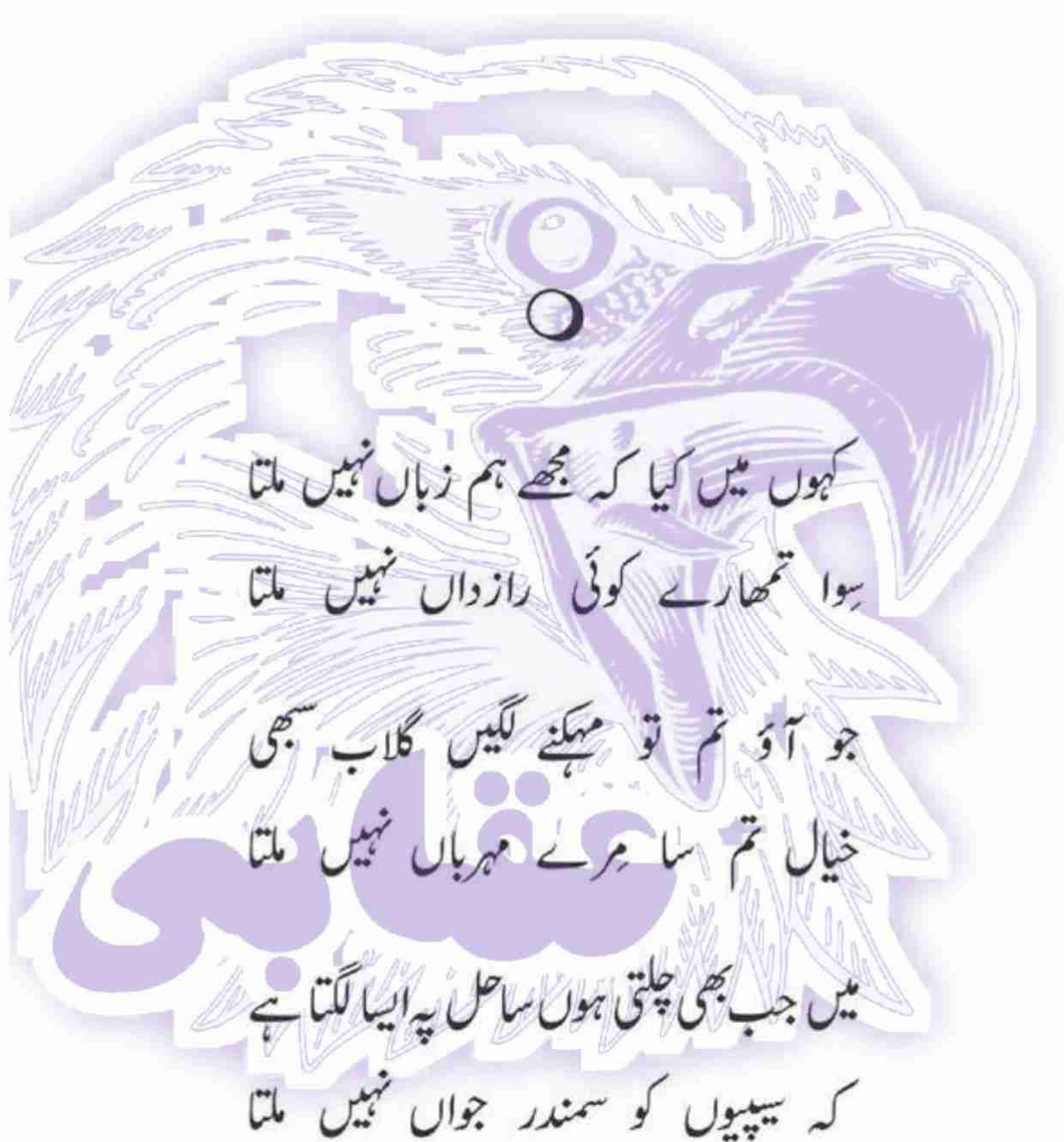
کہوں میں کیا کہ مجھے ہم زباں نہیں ملتا
سِوا تمھارے کوئی رازداں نہیں ملتا

جو آؤ تم تو مہکنے لگیں گلاب سبھی
خیال تم سا مِرے مہرباں نہیں ملتا

میں جب بھی چلتی ہوں ساحل پہ ایسا لگتا ہے
کہ سیپیوں کو سمندر جواں نہیں ملتا

نہ جانے کتنی مسافت تھکن میں ڈوبی ہے
مِری زمیں سے ترا آسماں نہیں ملتا

زمانہ ہم کو بہا لے گیا، خبر نہ ہوئی
عجیب بات ہے سیل رواں نہیں ملتا

ثبوت مانگ رہے ہو مری تباہی کا
جلے ہوئے سے ہیں خیمے دھواں نہیں ملتا

سفر تمام کبھی ہو نہیں سکا اپنا
تمام عمر چلے آشیاں نہیں ملتا

مجھے نہ غیب کی باتوں میں آپ اُلجھائیں
یہ راز کارِ جہاں میں کہاں نہیں ملتا

رات کی کتاب

رات کی کتاب سے کتاب پڑھ رہی تھی مَیں
اُداسیوں کے سرمئی نصاب پڑھ رہی تھی مَیں

مِرے خیال و فکر پر سکوت ہی سکوت تھا
شعور کی وضاحتوں کے باب پڑھ رہی تھی مَیں

نجانے ایک دم مجھے لگا کہ لفظ گر گئے
جو موتیوں کی تھال سے گلاب پڑھ رہی تھی مَیں

مجھے نہ چین آئے گا جو چُن نہ لوں ہر ایک لفظ
بکھر گئے تھے پاؤں میں حباب پڑھ رہی تھی مَیں

محبتوں کے شہر میں اکیلی مَیں اکیلے تم!
تمھاری اِن نگاہوں کے جو خواب پڑھ رہی تھی مَیں

سکوتِ جاں کی محفلوں میں کوئی گیت ہی نہیں
مگر نہ جانے کیا ہوا رباب پڑھ رہی تھی مَیں

اُداس اُداس شام میں اکیلے راستوں میں اب
خزاں رسیدہ عمر کے حساب پڑھ رہی تھی مَیں

○

کتنے ارمان سجائے رہا ماں باپ کا گھر
اپنے دامن میں چھپائے رہا ماں باپ کا گھر

وہ گلی اور محلّہ میرے بچپن کا سکوں
میرے دکھ درد اٹھائے رہا ماں باپ کا گھر

جب بھی مایوس اندھیروں نے مجھے آ گھیرا
آس کا دیپ جلائے رہا ماں باپ کا گھر

وقت کی تیز ہواؤں نے مٹائے جو نقوش
میری تصویر سجائے رہا ماں باپ کا گھر

کون اب شام کے وعدوں کا بھلا پاس کرے
کان آہٹ پہ لگائے رہا ماں باپ کا گھر

آ کے مل بیٹھیں گے اِک بار سبھی گھر کے مکیں
کتنی اُمید بندھائے رہا ماں باپ کا گھر

آرمی پبلک سکول پشاور کے شہیدوں کے نام

سُونا گھر چھوڑ گیا مجھ کو بسانے والا
کھو گیا ہے تو کہاں دل میں سمانے والا

ڈھونڈتی ہوں میں تجھے رات کے سناٹوں میں
اِک ستارہ ہے جو پلکوں پہ سجانے والا

اِک ہنسی ہے جو مرے لب سے سسکتی نکلی
آ ہی جائے گا بہت مجھ کو ہنسانے والا

نیند یوں روٹھ گئی ہے کہ بہت ممکن ہے
سو نہ جائے وہ کہیں مجھ کو جگانے والا

تیری ہر ضد بھی مجھے جان سے پیاری ہوگی
گر تو آ جائے مجھے پھر سے رُلانے والا

O

تری جستجو ہے روش روش ترا انتظار مگر نہیں
گو جلائے مَیں نے چراغ ہیں، دل بے قرار مگر نہیں

مِرے ساتھ چل، مِرے ساتھ آ، تو ہے فلسفہ مری ذات کا
مجھے تجھ سے پیار تو ہے بہت، ترا اعتبار مگر نہیں

کسی راستے کی خبر نہیں، نہ ہی منزلوں کی طلب مجھے
ترے ساتھ چلنے کو جی کہے، مرے غم گسار مگر نہیں

اِسی دھند میں، اِسی رات میں مجھے ڈھونڈنا ہے جو راستہ
مجھے آشیاں کی تلاش ہے، غمِ روزگار مگر نہیں

ہے خزاں کی سانس جو مضطرب، تو یہ رُت بدلنے کی دیر ہے
کیا ہواؤں میں ترا لمس ہے؟ یا کہیں بہار مگر نہیں

○

ہستی کو جو دوام ہے موجِ سخن کے نام
ہر سُو یہ اہتمام ہے موجِ سخن کے نام

تنہائی بولتی ہے خموشی میں تال ہے
خود سے جو ہمکلام ہے موجِ سخن کے نام

رستے میں کون پھول کھلاتا چلا گیا
یہ کون ذی خرام ہے موجِ سخن کے نام

لگتا ہے کائنات پہ چھایا ہے اِک سرور
ہاتھوں میں میرے جام ہے موجِ سخن کے نام

لے کر تمھارا نام غزل ابتدا کروں
مہکی ہوئی سی شام ہے موجِ سخن کے نام

لفظوں کی روشنی سے منور ہے زندگی
عالم یہ کُل تمام ہے موجِ سخن کے نام

○

وفا کا شہر بساتی ہوں، گنگناتی ہوں
تجھے میں اپنا بناتی ہوں، گنگناتی ہوں

امید ہے ترے آنے کی گوش بر آواز
دل و نظر کو بچھاتی ہوں، گنگناتی ہوں

بڑے سرُور کا موسم ہے یاد کا موسم
کہ بام و در کو سجاتی ہوں، گنگناتی ہوں

اُتر رہے ہیں صحیفے بشارتیں لے کر
گئی رُتوں کو مناتی ہوں، گنگناتی ہوں

یہ چاند پوری تب و تاب لے کے آنکلا
میں زُلف رُخ سے اُٹھاتی ہوں، گنگناتی ہوں

ابھی چھوا ہی نہیں مجھ کو موجِ ہستی نے
گھروندہ پھر سے بناتی ہوں، گنگناتی ہوں

جو کھو گیا ہے تصور سراب رستوں میں
اُسے میں ڈھونڈ کے لاتی ہوں، گنگناتی ہوں

○

پانی پہ سفر کرنا مشکل تو لگا ہم کو
تنہائی کو گھر کرنا مشکل تو لگا ہم کو

اک خواب کا قیدی ہے، ہو سیپ کا گھر جیسے
قطرے کو گہر کرنا مشکل تو لگا ہم کو

طوفان کی چاہت تھی اِس دشتِ خراباں میں
ہر لہر کو سر کرنا مشکل تو لگا ہم کو

ہیرے کا جگر اُس کا تھا پھول سا دِل اپنا
اُس دل پہ اثر کرنا مشکل تو لگا ہم کو

زنجیر تھی پیروں میں ہر خواب پہ پہرے تھے
پھر اپنی خبر کرنا مشکل تو لگا ہم کو

○

ایک تصویر ہے، دیوار ہے تنہا تنہا
پھر کوئی نیند سے بیدار ہے تنہا تنہا

ایک چھوٹی سی تمنا ہے مِری مٹھی میں
اور اِک شور کا بازار ہے تنہا تنہا

کتنے رشتے ہیں مرے نام سے منسوب مگر
دل میں اِک شورشِ اغیار ہے تنہا تنہا

رات بھر شمعیں جلائی ہیں ترے رستے پر
آج پھر ہجر کا تہوار ہے تنہا تنہا

گونجتی رہتی ہے ہر وقت تری یادوں سے
یہ حویلی کہ جو مسمار ہے تنہا تنہا

لفظ لکھتے ہیں، مٹاتے ہیں، سجا رکھتے ہیں
کتنا دلکش مرا سنسار ہے تنہا تنہا

تتلیاں اُڑتی ہیں رنگین تمناؤں کی
کون اب اِن کا طلبگار ہے تنہا تنہا

○

پہلو میں آ گیا ہے مگر مانتا نہیں
اتنی بڑی خوشی کو بھی گردانتا نہیں

مَیں دیکھتی ہوں اُس کو مگر کیا ستم ہے یہ
خلقِ خدا میں وہ مجھے پہچانتا نہیں

لعل و گہر جو خاک میں بکھرے پڑے رہے
صحرا میں آ کے خاک مِری چھانتا نہیں

جلتے ہوئے خیال کا سورج جلا رہے
چادر خیالِ یار کی وہ تانتا نہیں

گزرا ہے رُخ بچا کے ابھی سامنے سے وہ
ماضی کے خدّ و خال جو پہچانتا نہیں

لفظ تو بانجھ ہیں

(پشاور کے معصوم شہیدوں کے نام)

لفظ تو بانجھ ہیں اولاد کا غم کیا جانیں
زندگی ہار چکی ہے وہ ستم کیا جانیں
اپنے معصوم گلابوں سے حسیں بچوں کی
ایک کھوئی ہوئی مسکان پہ کچھ لکھنا ہے
اُن کی بے جان نگاہوں پہ مجھے کہنا ہے

لفظ تو بانجھ ہیں قرطاس کے آئینے میں
لفظ جو زیست کا عنوان ہیں سرمایہ ہیں
پھر بھی جذبات کے عکّاس نہیں ہو سکتے
خوف کے شہر میں احساس نہیں ہو سکتے
نوحۂ غم بھی تو احساس کی جولانی ہے

ہائے اے دل کہ یہاں خوف کی ویرانی ہے

منتظر ماں جو کھڑی ہے کہ بہت دیر ہوئی

میرے گھر بار کی رونق نہیں آیا اب تک

لفظ مَیں ڈھونڈ رہی ہوں کہ اُسے کیسے کہوں

تیرا معصوم شہیدوں میں لکھا آیا ہے

نام اپنا جو بہت پیار سے رکھّا تُو نے

ٹوٹ کر دور کہیں جا کے گرا ہے وہ شجر

جس کو دن رات محبت سے ہے سینچا تُو نے

لفظ تو بانجھ ہیں جذبات نہیں کہہ سکتے

وقت کے وار کو اِس بار نہیں سہہ سکتے

روپ نگر کی شہزادی

خواب اِک خواب میں جو دیکھا ہے
ہے تخیل کہانیوں جیسا۔۔۔
قصۂ حسن و عشق کی تمثیل
پیکرِ شب جوانیوں جیسا

گزرے وقتوں کی اِک کویتا ہو
خالی کمروں میں ڈھونڈتی ہو کسے
لے کے ہاتھوں میں پیار کی زنجیر
خالی نظروں سے پوچھتی ہو کِسے

نیند میں سوچتی ہوئی آنکھیں
جاگتے میں رہی جو سوئی سی

جانے کس سمت چل پڑے ہیں قدم
بھولی بسری ادا وہ کھوئی سی

جانے کیوں سکھ نہ مِل سکا تجھ کو
خالی جھولی رہی وفاؤں کی
دلِ برباد جھیلتا ہی رہا۔۔۔
رُت نہ بدلی کبھی جفاؤں کی

لوگ کہتے ہیں حسن کی تصویر
ایسی تصویر جو ادھوری تھی
فاصلہ رہ گیا، جو تھا دل میں
ہاتھ بھر کی فقط یہ دوری تھی

وقت کے آسمان پر جانم۔۔۔
تارے انگار سے چمکتے ہیں
یاد رکھتا ہے اُن کو ایک جہاں
دامنِ عشق پر جو پلتے ہیں

کانچ کی گڑیا

کانچ نازک ہیں خواب نازک ہیں
تم قدم سوچ کر اِدھر رکھنا
کھیلنے کا تمھیں ہے شوق مگر
اِن چٹانوں پہ بھی نظر رکھنا

تیرے دل میں ہے آرزو کی کرن
تیری آنکھوں میں خواب ہیں کل کے
تیرے ہاتھوں میں رنگ تتلی ہیں
تیرے چہرے پہ عزم ہیں دہکے

میرے آنگن کی کانچ سی گڑیا
اپنی قسمت کا امتحان نہ لے
میں تجھے شاد دیکھنا چاہوں
تو اندھیروں کا آسمان نہ لے

دل پہ بیتی جو میں نے سہہ لی ہے
خار راہوں سے تیری چن لوں گی
تیری ہر اِک خوشی عزیز مجھے
تجھ کو سنسار اِک نیا دوں گی

میری گڑیا مگر یہ کہتی ہے
مجھ کو دنیا تو دیکھ لینے دو
کیا ہوا گر مجھے بھی زخم ملیں
غمِ ہستی کا وار سہنے دو

اِک رات کی دلہن۔۔۔

شکایت تو نہیں لیکن بہت حیران ہے برہن
تمھارے گھر سے لوٹا دی گئی اِک رات کی دلہن

یہ مانا مرد ہو اور برتری رکھتے ہو تم مجھ پر
بہت ہی مان سے پہنے تمھارے نام کے کنگن

دھڑکتا تھا مِرے سینے میں تیرا دل ہمیشہ سے
خلش سی تھی کہاں لے جائے گا بے نام سا بندھن

مدھر راتوں میں سنتے تھے تمھارے نام کا نغمہ
مچلتا تھا مری آنکھوں میں صبح و شام یہ درپن

نہیں ممکن کہ محفل میں تم آؤ ہم نہیں دیکھیں
گزارا ہے تمھارے ساتھ یادوں سے بھرا بچپن

نہ جانے کس لئے پھر تم نے میرا مان نا رکھا
بنایا نارسائی کی دہکتی آگ کا ایندھن

وہ سمندر کے پار رہتا ہے

وہ سمندر کے پار رہتا ہے
اور دل بے قرار رہتا ہے
اُس کی باتیں جو یاد آتی ہیں
دن ڈھلے تک ہمیں ستاتی ہیں
رات بھر اک خمار رہتا ہے
وہ سمندر کے پار رہتا ہے

شہر ماتم کناں ہے تیرے بغیر
دشت بھی بے اماں ہے تیرے بغیر
ہر شجر سوگوار رہتا ہے
وہ سمندر کے پار رہتا ہے

دوستی بن گئی سزا جیسے
اور ہو آپ کی عطا جیسے
ہر کرم کا شمار رہتا ہے
وہ سمندر کے پار رہتا ہے

دریچہ تیری یادوں کا۔۔۔

بہت ہی دور آئی ہوں۔۔۔
سمندر اور صحراؤں کو پیچھے چھوڑ آئی ہوں
وہ بستی جس میں۔۔۔
اب میری فقط اک یاد باقی ہے
جہاں اِک بازگشتِ رفتہ کی جھنکار باقی ہے
بہت پیچھے مَیں سب رشتوں کو
سب ناطوں کو تنہا چھوڑ آئی ہوں
بہت ہی دور آئی ہوں۔۔۔
کبھی گزرو جو اُس بستی سے۔۔۔
اس آنگن کے رستے سے
جہاں اب گرد اُڑتی ہے
جہاں اِک گونج باقی ہے۔۔۔
مرے بیتے ہوئے۔۔۔ گزرے ہوئے کل کی
دریچہ تیری یادوں کا کھلا مَیں چھوڑ آئی ہوں
ہر اِک رشتہ تمھارے ساتھ لیکن توڑ آئی ہوں
بہت ہی دور آئی ہوں۔۔۔

گیت

گیت مَیں سوچ رہی ہوں کہ سناؤں تجھ کو
جو تری روح کے تاروں سے کھنکتا گزرے
رنگ اور نور کی مانند فضا میں بکھرے
موتیوں جیسے برس جائے گھنے بادل سے
جس سے ترسی ہوئی ہستی کو قرار آ جائے
دشت و صحرا میں محبت کی بہار آ جائے
گیت مَیں سوچ رہی ہو کہ سناؤں تجھ کو

بے گھر

دل پوچھتا ہے کون سا گھر ہے یہاں ترا؟
صحرا کی سمت جائیں کہ ساحل سے جاملیں
کشتی کو جا ڈبوئیں بھنور میں کہ چھوڑ دیں
اِس زندگی کو دہر کی موجوں کی اور پر

دل سوچتا ہے ہم بھی ذرا زندگی جئیں
اُٹھ جائیں اپنی ذات کے ہونے کے وصف سے
نکلیں ذرا پناہ کی اِس قید و بند سے
کھلنے دیں گل چنار کے راہوں میں اور پھر

آنے دے رنگ لالہ کے اس انقلاب کو
وہ انقلاب جس سے امیدیں ہیں آس ہے
ہر سو تمھارے نام کی اِک ہو پکار ہے

اس خامشی کو چیرنے والی ہے اِک صدا
اِس تیرگی میں درد کی کرنوں کا راج ہے
موسم بہار کا ابھی کچھ دور ہی تو ہے
سورج کے ہاتھ وعدۂ صبح باندھ کر کہا
اے دل ذرا سنبھل ترا گھر آس پاس ہے

بارش

بارشیں تو برسیں گی
اُن کو کون پوچھے گا
شور تو مچائیں گی
اُن کو کون ٹوکے گا
ہاں مگر یہ ہے جاناں
بارشیں بلاتی ہیں
یاد سب دِلاتی ہیں
بے سبب رُلاتی ہیں
قصۂ بتاں جاناں
آؤ آج پھر چھیڑیں
بارشوں کے موسم میں

چاہتوں کے وہ قصّے
جن کو یاد کرنے سے
دھڑکنیں اُلجھتی ہیں
وقت تھم ہی جاتا ہے
اَن کہی کہانی کو
پھر وہیں سے چھیڑیں گے
جن میں سات رنگوں کے
رنگ جھلملاتے ہیں
قوس سی بناتے ہیں
بارشیں تو برسیں گی
اُن کو کون روکے گا
رنگ تو بکھیریں گی
اُن کو کون پوچھے گا
بن ترے جو گزری ہے
بن ترے جو گزرے گی

بارشیں بتائیں گی
حال کیا ہوا جاناں
پھر اندھیری راتوں میں
بجلیاں سی کڑکیں گی
اور ایک لمحے کو
چُور چُور خوابوں کے
رنگ جھلملائیں گے
راستہ دکھائیں گے
بارشوں کا کیا جاناں
بارشیں تو برسیں گی

○

بھیگتی شب ، ہَوا کی سَن سَن ہے
ہُو کا عالم ہے ، ایک دھڑکن ہے

ہے پپیہا اُداس جانے کیوں؟
اب کے ساون بھی کیسا ساون ہے

نیند آنکھوں سے دور رہتی ہے
جاگتی آنکھ میں جو درپن ہے

وہ مجھے چاہتے ہیں دُکھ دینا
میرے ہنسنے پہ اُن کی قدغن ہے

میں انہیں روک لوں کہ جانے دوں
دل ہی دل میں مِرے یہ اُلجھن ہے

مجھ کو تنہائی راس آتی ہے
آسماں سے جو میری اَن بَن ہے

جو مجھے بھولنے نہیں دیتا
ایک ساتھی ہے ، ایک بچپن ہے

موتیا ساتھ رکھ کے سوئی تھی
منظرِ خواب میں مدھوبن ہے

خالی گھر میں تلاش کرتی ہوں
تیری آواز ہے کہ چھن چھن ہے

○

بہت دور جا کے نہ کوئی پکارے
جلا ہی نہ دیں رفتگاں کے شرارے

ترے رُخ کی روشن سحر دیکھنے کو
کوئی کب تلک تیری زُلفیں سنوارے

نگاہوں میں ٹھہرا ہوا عکس تیرا
دیئے جل رہے ہیں کہ روشن ستارے

نئے راستے اور نئی منزلیں ہیں
کہاں لے چلے زندگی کے یہ دھارے

محبت سے اُس نے پکارا تھا جس دم
ملے ڈوبتے بے کسوں کو کنارے

وہ اپنا تھا لیکن رہا دور ہم سے
کہاں آ کے ہم بھی مقدر سے ہارے

○

کس سے کہیں یہ حال جو اپنا عجیب تھا
اے چارہ ساز دل سے مرے تو قریب تھا

کچھ بھی اثر یہ زہر ہلاہل نہ کرسکا
حیران مجھ پہ کتنا ہی میرا طبیب تھا

اِس بزمِ دوستاں میں کوئی بھی نہ تھا مرا
جس سے رہا خلوص مِرا ہی رقیب تھا

وہ خواب جس کا رنگ سنہری رہا سدا
میرا نہ ہوسکا وہ کسی کا نصیب تھا

وہ شخص جس نے پیار کے موتی گنوا دیئے
اسباب کا نہیں وہ نظر کا غریب تھا

اُس کی نگاہِ ناز کے سب منتظر رہے
میرا فقط نہیں وہ سبھی کا حبیب تھا

○

لکھے ہوئے الفاظ میں تاثیر نہیں ہے
دل پر جو کسی عشق کی تحریر نہیں ہے

اِس زیست کے ہر موڑ پہ لڑنی ہے مجھے جنگ
قرطاس و قلم ہیں کوئی شمشیر نہیں ہے

ممکن ہی نہیں تھا تجھے آواز لگاتے
ہے عشق کی روداد یہ تشہیر نہیں ہے

وابستہ ہیں اِس گھر سے بہت آپ کی یادیں
گزرے ہوئے لمحات ہیں زنجیر نہیں ہے

چپ چاپ بہت دیر سے پھرتے ہیں گریزاں
دنیا میں کوئی آپ سا دلگیر نہیں ہے

○

بزم میں آئے ہیں اُمید کے تارے لے کر
چاکِ دامان و گریباں کے خسارے لے کر

کیسی وحشت ہے کہ سہمے ہوئے لگتے ہیں خیال
بے اماں گزری ہے شب درد تمھارے لے کر

دلِ سادہ کہ بہل جاتا ہے ارمانوں سے
شامِ وعدہ چلی آئی ہے نظارے لے کر

ایک تعبیر کا بھی لمس میسّر نہ ہوا
ڈھل گئی عمر تو خوابوں کے سہارے لے کر

کون پاتال سے اُلفت کے گُہر لائے گا
ڈوب جاتے ہیں سمندر بھی کنارے لے کر

○

قرار و قول کا اب شاخسانہ کوئی نہیں
حسین خواب سا پیکر فسانہ کوئی نہیں

چلو کہ شام سے پہلے ہی گھر کو لوٹ چلو
ملن بہار کا موسم سہانہ کوئی نہیں

دیارِ غیر کے رستے ہیں اجنبی رستے
کہ اب نصیب میں یاں آب و دانہ کوئی نہیں

گزر رہے ہیں شب و روز اور آہستہ
شبِ فراق کا اب تازیانہ کوئی نہیں

بہت اُداس سی محفل ہے آپ کی محفل
ہمارا ذکر بھی اب غائبانہ کوئی نہیں

○

چاند نکلا تھا پرے بام سے پہلے پہلے
اُس گلی بھول پڑے شام سے پہلے پہلے

بوجھ اک دل پہ لئے صبح سے رنجیدہ ہوں
بھر لئے اشک ترے جام سے پہلے پہلے

شوخ رنگوں سے مچلتا ہے بھٹکتا بادل
کام آسان ہے آلام سے پہلے پہلے

بوئے گل پھیل چلی ہے مرے افسانے میں
نام آئے گا ترے نام سے پہلے پہلے

سوچ تیری ہے، مسافت کی طوالت میری
ایک لمحے کو ملیں کام سے پہلے پہلے

○

ایک عمر لگتی ہے آشیاں بنانے میں
اور پل نہیں لگتا بجلیاں گرانے میں

پوچھتے ہو کیا مجھ سے، کون سی ہے یہ منزل
تیرگی سلگتی ہے اِک دیا جلانے میں

کون خواب دیکھے گا دوسری رفاقت کے
زندگی بِتا دی ہے تم کو بھول جانے میں

شب گزیدہ شہزادی سج سنور کے آئی ہے
جگنوؤں کے گہنے ہیں رات کے خزانے میں

منتظر تھی میں کب سے اِک تری نوازش کی
دیر کیوں لگائی ہے آنکھ کو اٹھانے میں

یہ سبھی گلے شکوے پھر کبھی اُٹھا رکھنا
وقت بیت جائے گا آپ کو منانے میں

○

زمیں اپنی، مکاں اپنا، جہانِ بے کراں اپنا
جو لمحوں میں بکھر جائے وہ ہستی کا نشاں اپنا

لئے پھرتی ہوں ساتوں رنگ اپنی چشم پرنم میں
نہ دل سے محو ہو جائے برستا آسماں اپنا

نہیں شکوہ کوئی کہ شوق تھا صحرانوردی کا
ہے غم کیا گر بچھڑ جائے گا میرِ کارواں اپنا

تھی منزل سامنے پھر بھی دبے پاؤں پلٹ آئے
ہماری جیت پر غمگین تھا وہ مہرباں اپنا

بہت انمول ہے یہ دل شکستہ گھر کی ویرانی
ادھورے خواب کی جائے پنہ ہے سائباں اپنا

○

دل دکھانے کی ہے بات
ہار جانے کی ہے بات

مختصر قصّہ ہے جی
آزمانے کی ہے بات

حوصلہ کر لیجئے
پار جانے کی ہے بات

ساتھ دینا ہے اگر
مان جانے کی ہے بات

رنگ، خوشبو، شاعری
جی لگانے کی ہے بات

کس وفا کا ذکر ہے؟
اِک فسانے کی ہے بات

خوب ہے فصلِ بہار
جی جلانے کی ہے بات

تم رہے تھے ہمسفر
کس زمانے کی ہے بات

چھیڑ دی جو راگنی
مسکرانے کی ہے بات

یوں ہمیں نہ دیکھئے
جان جانے کی ہے بات

○

دُھند میں لپٹی ہوئی خاموشیاں باتیں کریں
بارشوں کے موسموں میں کھڑکیاں باتیں کریں

نیلے نیلے پانیوں میں سوچ کا کنکر پڑے
دیر تک لہروں کی بے کل بالیاں باتیں کریں

بیٹھ جاؤں پھر تری یادوں کا آنچل اوڑھ کے
چاند کو تکتے ہوئے انگنائیاں باتیں کریں

پھر خلاء میں ڈوبتا جاتا ہے یادوں کا نگر
دور ہوتے لمس کی بے تابیاں باتیں کریں

زندگی میں اُن سے ملنا اور بچھڑنا ہی تو ہے
اتفاقاتِ جہاں کی تتلیاں باتیں کریں

پھر سنائی دے رہی ہے چاپ، کچھ ہونے کو ہے
سُونے سُونے گھر کی سُونی سیڑھیاں باتیں کریں

سایہ

گئے دنوں کا یہ تذکرہ ہے
کہ اب تصور بھی مٹ چکا ہے

کہ مجھ میں زندہ تھا تم سا کوئی
جسے زمانہ بدل چکا ہے

وہ نقش تھا ریت پر ہی شاید
چلی ہَوا تو بکھر گیا ہے

تمام پیکر تھا روح پرور
مِرے خیالوں میں ہنس رہا ہے

سمندروں کی پناہ میں تھا
وہ ایک موتی سا چھپ گیا ہے

جو میرے بارے میں کوئی پوچھے
تو کہنا سایہ تو ڈھل چکا ہے

Merilyn Monroe

کوئی دیکھے تو مِری کرب میں ڈوبی آنکھیں
کتنے سنگلاخ رویوں سے اُلجھتی سانسیں
ہونٹ ہنستے ہیں مگر آنکھ میں نم باقی ہے
تجھ سے اُلفت میں بچھڑ جانے کا غم باقی ہے
بوجھ اِس دل پہ لئے جاں سے گزر جانا ہے
اپنی ناکام اُمنگوں سے مکر جانا ہے
کوئی دیکھے تو مِری کرب میں ڈوبی آنکھیں

میں کہ محفل میں ہوں خوش رنگ ستائش کی کلی
کُو بہ کُو پھیل رہی ہے جو مِری بات چلی
ہر کوئی چھونے کو بے تاب ہے پلکیں میری
کون دیکھے گا کہ پلکوں سے پرے کیا غم ہیں
میری آنکھوں میں چھپی ہجر کی برساتیں ہیں
کوئی دیکھے تو مِری کرب میں ڈوبی آنکھیں

میں جو چپ چاپ کھڑی ہوں کہ درِ شب پہ کوئی
بیٹھ کر آئے گا تاروں سے سجی اِک رتھ میں
اور لے جائے گا اِس شہرِ نگاراں سے پرے
شہر یہ جس نے کُچل ڈالا ہے خوابوں کو مِرے
کرچیاں بکھری ہیں اور پاؤں ہیں رنگین مِرے
کوئی آئے گا؟ نہیں، کوئی نہیں، کوئی نہیں!
کوئی دیکھے تو مِری کرب میں ڈوبی آنکھیں

لوگ جو دیکھ رہے ہیں مری ہنستی آنکھیں
وہ بھلا کیا مِری آنکھوں کو سمجھ پائیں گے
خواب جو شمع کی مانند جلے ہیں ہرسُو
تیز آوارہ ہواؤں سے نہ لڑ پائیں گے
کوئی دیکھے تو مِری کرب میں ڈوبی آنکھیں

شریکِ غم

بہت مغرور ہو تم بھی
محبت کو سمجھتے ہو
کہ جیسے دھول پاؤں کی
کہ جیسے خاک راہوں کی
مگر جاناں ذرا سوچو
رُکو لمحے کو...... اور دیکھو
کہیں ایسا نہ ہو جائے
تمھارا دل بدل جائے
ستائے یاد چاہت کی
یہ آنسو روگ بن جائیں
تمھیں اور ہم کو تڑپائیں

ذرا ٹھہرو...... مری سن لو
کہ میں تم کو سمجھتی ہوں
ذرا تم سے زیادہ ہی
مجھے پرواہ نہیں اپنی
نہیں ہے مصلحت کوئی
کہیں ایسا نہ ہو جائے
بہت سا وقت بہہ جائے
اور ایسا موڑ آ جائے
جہاں سے راستہ کوئی بھی
مجھ تک تم کو نہ لائے ---

مجھے افسوس ہے جاناں
کہ میں تو ہوں ہی آزردہ
تمہاری مسکراہٹ بھی
کہیں آنسو نہ بن جائے

شریکِ غم تمہاری ہوں۔۔۔!

تمہاری خیر خواہ بھی ہوں

''یہیں رُک جاؤ مت جاؤ''

یہی تم سے کہا تھا نا؟

مگر تم کو تو شاید نت نئے موسم بلاتے تھے

نئے سُر اور نئے گیتوں کے سنگم گنگناتے تھے

تو پھر تم کو خموشی کی زباں

مشکل تھا سمجھانا۔۔۔

یہ دُکھ تم کو ہی سہنا تھا

تو پھر انجان بن جانا

فقط اِک یہ ہی رستہ تھا

جسے ہم نے سہل جانا

مگر تم کو اُداسی میں یوں اب دیکھا نہیں جاتا

کہ اِس گھائل نظر کا سامنا مجھ سے نہیں ہوتا!

کہی اَن کہی۔۔۔

کروتم بھی کوئی وعدہ
کوئی عہدِ وفا کرلو
جو ممکن ہی نہ ہو۔۔۔
ایسا کوئی اقرار تو کرلو
یقیں اور بے یقینی میں
نہیں اب فرق کوئی بھی
کرو قول و قرار ایسا
جو جھوٹا ہو نہ سچا ہو۔۔۔
مگر اِک آس دے جاؤ
کہ ہم اب تک تمھاری یاد میں
شمعیں جلاتے ہیں
اندھیری رات میں جگنو وفا کے۔۔۔

پاس آتے ہیں

خیال و خواب کی منزل

حقیقت سے ذرا پہلے

تخیل بن کے گم ہو جائے گی

اِک اَن کہی بن کر۔۔۔

فقط ٹوٹا ہوا تارا

بجھا انگار ہو جیسے

جِسے میں بند کر لوں۔۔۔

اپنی مٹھی میں چھپا رکھوں

یہی ٹوٹا ہوا تارا

یہی بھولی ہوئی منزل

مجھے رستہ دکھائے گی

اندھیری رہگزاروں میں

نئے منظر بنائے گی۔۔۔

کوئی اقرار تو کر لو۔۔۔

جو جھوٹا ہو نہ سچا ہو۔۔۔!

محبت دائمی سُکھ ہے

محبت دائمی سُکھ ہے
کہ جس کو موت کی گھڑیاں
کبھی کم کر نہیں سکتیں
یہ موسم اِک دفعہ آئے
تو پھر آ کر ٹھہر جائے
حسیں شاداب سی کلیاں
نگاہوں میں سما جائیں
تو پھر یہ مر نہیں سکتیں
خیالوں کی روانی میں
کہ جیسے بہتے پانی میں
کنول کھل جائیں خوابوں کے

تو فطرت مسکراتی ہے
اشارہ کر کے تاروں سے
چھلکتے آبشاروں سے
مدھر سر گوشیاں کر کے ہمیں رستہ دکھاتی ہے
یہ رستہ کس قدر حیران کن منظر دِکھاتا ہے
اِسی رستے پہ انساں خود کو پہلی بار پاتا ہے
محبت کو سزا کہنے سے پہلے سوچ کر رکھنا
کہ جو اِس سے بچھڑ جائے
اسے منزل نہیں ملتی
بکھر جائیں جو بن کر خاک پھر محفل نہیں ملتی
محبت دائمی سُکھ ہے!

دل کی دہلیز

ڈھونڈنا چاہوں اگر ڈھونڈ کے لا سکتی ہوں
میری ترسی ہوئی صبحو میری سُونی شامو
گر مَیں چاہوں تو بہاروں کو منا سکتی ہوں
دل کی دہلیز سے پیوستہ ہے احساس قدیم
میرے اجداد کی آنکھوں کے وہ گم گشتہ چراغ
سُونی راہوں میں پڑی رہتی ہے خاموش دلیل
کس طرح پھر میں بہاروں سے نبھا سکتی ہوں
مری ترسی ہوئی صبحو میری سونی شامو
جانے اب کس کے لئے آئے گی گلشن میں بہار
کون اِس رات کی منزل سے گزر پائے گا
روشنی کس کا مقدر ہے کوئی کیا جانے

کون آنکھوں میں کنول خواب کے مہکائے گا

سوچتی ہوں کہ مَیں اک بار سحر سے پہلے

دل کی دہلیز پہ خاموش صدائیں دے دوں

عین ممکن ہے کہ پھر رات کے سناٹوں میں

بکھرے خوابوں کو وفاؤں کی ردائیں دے دوں

میری ترسی ہوئی صبحو مری سُونی شامو

سَکھی

آج آؤ سَکھی بتاؤں تمھیں
اَن کہی بات ہے سناؤں تمھیں
کیسے ٹوٹا ملن کا خواب میرا
دشت میں رہ گیا سراب میرا
تم ملی ہو تو آج سوچتی ہوں
پردۂ راز کو اٹھا ہی دوں
آج آؤ سَکھی بتا ہی دوں
دل دھڑکتا ہے اور یہ جنبش بھی
ایک ناکام آرزو لے کر
شام وعدہ کی جستجو لے کر
یونہی دم بھر کو مسکراتا ہے

اور پھر ڈوب ڈوب جاتا ہے

آج آؤ سَکھی بتاؤں تمھیں

اَن کہی بات ہے سناؤ تمھیں

آرزو دل میں یوں مچلتی ہے

جیسے بے کل ہوا کا گیت کوئی

سُر کی سنگت میں من کا میت کوئی

دل دھڑکتا ہے یہ کسی کے لئے

اور مچلتا ہے سرخوشی کے لئے

ایک خوشبو خرام چلتی ہے

اور ساقی بنام چلتی ہے

باندھ کر شام میرے پلّو سے

رات کرتی ہے گفتگو مجھ سے

آج آؤ سَکھی بتاؤں تمھیں

اَن کہی بات ہے سناؤں تمھیں

دھرتی

پوچھتی ہے یہ دھرتی
قرض کیا اُتارو گے
میری قربِ ہستی کا
گلستاں سی گلیوں کا
پوچھتی ہے یہ دھرتی
یارِ خوش کہاں کھوئے
زندگی کے رستوں میں
ساتھ کیا نبھاؤ گے
پوچھتی ہے یہ دھرتی
دلربا ہواؤں کے ناز کیا اُٹھاؤ گے
کھیلتی ہے زُلفوں سے

نازنین کلیوں سے

قرض کیا اُتارو گے

پوچھتی ہے یہ دھرتی

چھوڑ جانے والوں سے

مڑ کے آنے والوں سے

کیا یہی ارادہ ہے؟

زخمِ دل دکھاؤ گے؟

پوچھتی ہے یہ دھرتی

شام کے پرندوں سے

جلتی بجھتی شمعوں سے

خواب کیا دکھاؤ گے؟

حالِ دل سناؤ گے

جنگلوں کی وادی میں

راستہ بناؤ گے؟

قرض کیا اُتارو گے؟
ان حسیں نظاروں کا
دلنشیں بہاروں کا
سرمئی سی شاموں کا
قصہ بتاں جاناں
کیا کبھی سناؤ گے؟
آج اپنی دھرتی سے
کہہ رہے ہیں یہ ساتھی
قرض تیری بانہوں کا
حق تمھاری چھاؤں کا
ہوادا نہیں سکتا
چاہ کر بھی الفت کا
سلسلہ نہیں رُکتا
پوچھتی ہے یہ دھرتی
اور جواب خاموشی

ہار جیت

زندگی کے منظر میں
ہار جیت کا منظر
کس قدر اُداسی کا
اور بے نوائی کا
ایک منتظر منظر
ٹوٹ کر ارادوں میں
ڈوب کر سرابوں میں
دشتِ بے اماں منظر
ہار جیت کا منظر
آج اپنے شاعر سے
پوچھ لیں تو اچھا ہے
کیا گنوا کے پایا ہے

اور کیا جو کھویا ہے
اعتبار کا منظر
ہار جیت کا منظر
آج تم سے کھیلی ہے
زندگی کی وہ بازی
جس میں ہارنا شاید
جیت کا خلاصہ ہے
کھیل کھیل میں جانم
آؤ آج پھر کھیلیں
ہار جیت کا منظر
منتظر نگاہوں میں
مَیں تو ہار جاؤں گی
سوچ لو پیا لیکن
ہار کر بھی مَیں شاید
تم سے جیت جاؤں گی

انگور کی بیل

ننھا منا چھوٹا بچہ ماں کا رستہ دیکھتا ہے
کون سے رستے پر بچھڑی ہے حیرانی سے سوچتا ہے
سرد ہوا کے جھونکے اُس کے لاغر تن پر کاری ہیں
کونسا رستہ گھر جاتا ہے ڈرتے ڈرتے پوچھتا ہے
کون سا چھپّر میرا ہے، مَیں کس کے نیچے چھپ جاؤں
دریا کا بند ٹوٹ رہا ہے راہ میں جنگل پڑتا ہے
قسمت کی گھنگھور گھٹائیں مجھ سے کیونکر خائف ہیں
مَیں نے چلنا سیکھا ہے اور رستہ بوجھل لگتا ہے
اِک جھاڑی انگور کی گہری نیند سے جاگ کے پوچھتی ہے
وہ ننھا سا بچہ جو سویا تھا میرے دامن میں
اُس کو چھاؤں ڈھونڈ رہی ہے اُس بن ندیا سُونی ہے

سب نے اُس کو ٹوٹ کے چاہا سب تنہا ہیں اُس کے بِن

اُس نے کیوں بَن باس لیا ہے سب نالاں ہیں اُس کے بِن

لیکن میرے من کی بپتا کوئی نہ جانے نہ سمجھے

اِک پل جینا بھی مشکل ہے اِک پل مرنا مشکل ہے

مَیں چھپ جاؤں اُس انگور کی جنت جیسی چھاؤں میں

لیکن میری نظریں اب وحشت کا ساماں رکھتی ہیں

میری آنکھیں اشکوں سے لبریز فسانہ کہتی ہیں

مَیں ڈرتی ہوں آنکھیں کھولوں گی تو سب جل جائے گا

میرے سپنوں سے جیون کا ہر پنّا دُھل جائے گا

تتلیاں

وہ سارے لمحے یہیں کہیں تھے
مری محبت کی قربتوں میں بہت حسیں تھے
مگر وہ لمحے تو تتلیاں تھے
بہت ہی رنگین کہکشائیں تلاشتے تھے
جب اُن پروں پر جوان رنگوں کے عکس نکھرے
تو اُڑ چلے ہیں
بہت ہی انجان راستوں پر
نکل گئے ہیں
میں خالی ہاتھوں کو دیکھتی ہوں
بہت ہی حیرت سے سوچتی ہوں
کہ ان میں قوسِ قزح کبھی تھی

ہزار رنگوں کی اَن کہی تھی
وہ سارے لمحے تو تتلیاں تھے
جو اُڑ گئیں ہیں
نئے جزیروں کی چاہتوں میں
نکل گئیں ہیں۔۔۔
مری دعائیں امام ضامن کی ساتھ تم سے
بندھی رہیں گی
ہمیشہ سایہ فگن رہیں گی
وہ سارے لمحے جو تتلیاں تھے
ہزار رنگوں کی چھب دکھا کر
بہار موسم کی چاہتوں میں نکل گئیں ہیں
سکوں کی وادی اُتر گئیں ہیں

○

کھڑے ہیں کوہِ گراں اِس صدا کے رستے میں
بکھر نہ جائیں کہیں ہم ہَوا کے رستے میں

ابھی تلک کوئی امکاں نہیں کہ اذن ملے
صلیب کِس نے رکھی ہے اٹھا کے رستے میں

مری نظر میں کوئی خواب آ کے ٹھہرا ہے
بہار رنگ کھلے ہیں گھٹا کے رستے میں

نہیں جو خوف ہمیں رات کے اندھیروں کا
چراغ اٹھائے چلے ہیں ہَوا کے رستے میں

تمھاری چاپ کی آہٹ تمھاری سرگوشی
لٹا رہے ہیں خزانے صبا کے رستے میں

مِرے خلوص کو اتنا تو آپ پہچانیں
پڑاؤ ملتا ہے اپنا خدا کے رستے میں

○

نظر کرتی رہی فریاد ہر دم
نہ جاؤ آ گیا پھولوں کا موسم

یہ دل کی بے کلی لے کر چلی ہے
برستی ہے گھٹا یادوں کی پیہم

دلِ خوش فہم کو آتا نہیں ہے
یقیں کہ اب نہ وہ ہیں اور نہ وہ ہم

بجھا دینا اُمنگوں کا چراغاں
مزاجِ یار کچھ لگتا ہے برہم

خوشی نے دل پہ دستک دی تو اِسے
کلی دل کی کھلی لیکن ذرا کم

بڑی اُلجھن میں ہے اب باغباں بھی
نظر آتی نہیں پھولوں پہ شبنم

جگر کا داغ ہم کیونکر دِکھائیں
کہ جب دل کو بہت محرم ہو یہ غم

○

دھڑکنوں کا شور اِک اندیشۂ محمل نہ ہو
جو دھڑکتا ہے مِرے سینے میں تیرا دل نہ ہو

پھر مری نظروں کو لاحق وسوسے ہیں شام سے
تنہا تنہا راستوں کی گر کوئی منزل نہ ہو؟

رات کے پردے میں چھپ کر زندگی ہم سے ملی
کون جانے صبح تک باقی یہ شہرِ دل نہ ہو

کن صداؤں کا ہمیں ہونے لگا ہے واہمہ
بود اور نابود کی تفریق ہی مشکل نہ ہو

کیوں مقفّل کر کے رکھتے ہو دریچے، بام و در
وقت جو گزرا ہی جاتا ہے کہیں قاتل نہ ہو

○

آج پھر قریۂ جاناں میں صدا دی جائے
یوں ہی شاید دلِ مضطر کو سزا دی جائے

کوئی بہتے ہوئے پانی کو ذرا ٹھہرا دے
کاغذی خواب کی کشتی ہی چلا دی جائے

نیلگوں رات کی تنہائی میں آتی ہے صدا
کیوں نہ اُمید کی قندیل جلا دی جائے

میرے پرکھوں کی محبت کی وہ سوندھی خوشبو
دیدۂ نم کو وہی خاک منگا دی جائے

سونے آنگن میں خزاں رنگ بچھا ہے ہر سُو
سبز وادی کی وہ تصویر لگا دی جائے

○

اُجڑی ہوئی بستی پہ گھٹا کیوں نہیں آتی
وہ جس سے ہو شاداب، ہَوا کیوں نہیں آتی

سناٹے کی اک گونج ہے اور دشت ہے لوگو
وادی سے پلٹ کر یہ ندا کیوں نہیں آتی

اس سرد دسمبر میں تری یاد کی صورت
ہم یاس کے ماروں پہ ردا کیوں نہیں آتی

اِک عمر جو گزری ہے خموشی کے سفر میں
تجھ کو جو نظر آئے وفا کیوں نہیں آتی

جو روز گزرتا ہے شبِ غم کے سفر میں
اِس سائلِ برہم کی صدا کیوں نہیں آتی

پھر رات گزرتے ہی دریچے میں کھڑے ہیں
تیری جو خبر لائے صبا کیوں نہیں آتی

○

یقین چھین لیا اور گمان چھوڑ گیا
مرے وجود کا کچھ تو نشان چھوڑ گیا

خزاں نے اوڑھ لیے رنگ بے ثباتی کے
یہ کس نہج پہ مرا باغبان چھوڑ گیا

تمام عمر رہا ساتھ اور منزل پر
زمین چھوڑ گیا، آسمان چھوڑ گیا

مجھے تھا اِذن فضاؤں میں دور تک جاؤں
مرے بریدہ پروں میں اُڑان چھوڑ گیا

جو اَب بھی گونج رہا ہے سنہری یادوں سے
شکستہ خواب سا اِک سائبان چھوڑ گیا

○

اِس جہاں گرد کو منظر نہیں بھایا کوئی
اِس کے ہمراہ تھا آسیب کا سایا کوئی

بوجھ بن جائے مسافر تو اُسے جانے دو
پاؤں میں وقت کے گرداب کو لایا کوئی؟

روز و شب ایک تصور میں بسر ہوتے ہیں
ہائے بے تابیٔ دل آنکھ کو بھایا کوئی

گنگناتی ہے ہوا، رات کو، بجتے ہیں کواڑ
رنگ و خوشبو سے مہکتا ہوا آیا کوئی

جاگتا رہتا ہے ہر وقت مری آنکھوں میں
بند آنکھوں میں تصوّر جو سمایا کوئی

○

اجنبی شہر میں اُلفت کی نظر کو ترسے
شام ڈھل جائے تو رہ گیر بھی گھر کو ترسے

خالی جھولی لئے پھرتی ہوں جو ایوانوں میں
میرا شفّاف ہنر، عرضِ ہنر کو ترسے

جس جگہ ہم نے جلائے تھے وفاؤں کے دیئے
پھر اُسی موڑ پہ دلدار نظر کو ترسے

میری بے خواب نگاہیں ہیں، سمندر شب ہے
وقت تھم تھم کے جو گزرے ہے سحر کو ترسے

جانے ہم کس سے مخاطب ہیں بھری محفل میں
بات دل میں جو نہ اُترے ہے اثر کو ترسے

شبنمی راکھ بچھی ہے مرے ارمانوں کی
نقشِ پا تیرے کسی خاک بسر کو ترسے

○

زندگی تُو نے جو بازار سجا رکھا ہے
ہر خریدار نے کہرام مچا رکھا ہے

اِک عقیدت کی نظر گر نہ ملے، ہے پتھر
تُو نے مندر میں جو بھگوان بٹھا رکھا ہے

چند سانسوں کی کہانی ہے ہمارا یہ وجود
اِک دیا ہم نے ہَواؤں میں جلا رکھا ہے

آتے جاتے ہوئے موسم بھی ٹھہر جاتے ہیں
ہم نے اِس دل کو سرائے جو بنا رکھا ہے

شب گزیدہ تری یادوں سے بہل جاتے ہیں
تیرگی میں بھی دیا ہم نے بجھا رکھا ہے

○

بت خانۂ محمل سے کہا ایک صنم نے
پارس کیا پتھر کو ترے جور و ستم نے

جب خلد سے نکلے تو کہیں اور نہ ٹھہرے
دل کو نہ دیا چین کہیں دیر و حرم نے

خاموش نگاہوں سے کیا شکوۂ بیداد
کہنے نہ دیا حال ہمیں تیرے بھرم نے

دہرانے لگا وقت اُسی بھولی کتھا کو
لکھی تھی کہانی جو کبھی دیدۂ نم نے

کسی طور بھلا گھر کا پتا پوچھ رہے ہو
پہنچایا ہے جنگل میں ترے نقشِ قدم نے

گورکن

رات گویا کہ گنہ گار ہے، تاریک ہے دل
اور سوچیں ہیں کہ بکھری ہوئیں، بوجھل بوجھل
کوئی ترتیب نہیں، کوئی تواتر بھی نہیں
سوچ کے زاویے قبروں کی طرح ہیں مدفون
گورکن چپ ہے، خمیدہ ہے، پراسرار سا ہے
جیسے تنہا ہو کسی بوڑھے شجر کی مانند
وقت کی گرد نگاہوں میں سمیٹے چپ چاپ
خشک آنکھوں سے کسی سوچ میں گم صم گم صم
سوچتا ہے کہ مفر کوئی نہیں ہے ممکن
زیست انجام سے ٹکرا کے بکھر جاتی ہے
ایک لمحے میں ہر اِک گاہ بدلتی دنیا
سانس رکنے سے اُسی آن ٹھہر جاتی ہے

رات تنہائی ہے، محبوبہ ہے

رات تنہائی ہے، محبوبہ ہے
دھیرے دھیرے سے چلی آئی ہے میرے آنگن
یوں تکے جاتی ہے خاموش نگاہیں لے کر
جیسے ہر سمت سے تاروں کا پُراسرار فسوں
اُس کو آغوش میں لینے کو بہت ترسا ہو
چاندنی چٹکی ہوئی، خواب میں نہلائی ہوئی
اِک عبادت کی طرح سوچ میں گم صم گم صم
میری دہلیز پہ ٹھہری ہے تمنا کی صلیب
پار دہلیز کے جاؤں تو چلوں

تم کو اِک نغمۂ پرسُوز سناؤں تو چلوں
نیند کے دیس سے خوابیدہ پری آئی ہے
سوچتی ہوں کہ اُسے پاس بلاؤں تو چلوں
دو اجازت کہ مجھے کام بہت کرنے ہیں
شیشۂ دل کو بہت ٹھیس لگی ہے جانم
کرچیاں اپنی حفاظت سے کہیں رکھنی ہیں
صبح سے پہلے چھپانا ہے بہت خوابوں کو
اپنے ٹوٹے ہوئے پَر پھر سے چھپاؤں تو چلوں
اشک آنکھوں میں جو ٹھہرے ہیں بہاؤں تو چلوں
کس طرح سو کے گزاروں میں حسیں لمحوں کو؟
ہجر کا جشن مناؤں تو چلوں
رات تنہائی ہے محبوبہ ہے۔۔۔

گمان

نہ جانے کون سا رشتہ ہے، تم سے ناطہ ہے
خیال و خواب کی محفل سے جڑتا جاتا ہے
مجھے یقین کی حد تک گمان ہے جانم
کسی جنم میں کسی اور ہی زمانے میں
ملے ہیں ہم کسی جنگل کی سرحدوں سے پرے
وہ پھول اب جو کھلے ہیں ہمارے آنگن میں
کسی زمانے میں کھلتے تھے پربتوں کے تلے
بجھا رہی ہوں دِیا رات ڈھل چکی ہے صنم
کہ صحنِ دل میں جو برسات تھم گئی ہے صنم
سمیٹ لوں یہ محبت کے سیم و زر، موتی

کہ پھر نجانے ہمیں زندگی کہاں لے جائے

جو چل رہی ہے یہ آندھی اندھیر نگری میں

ہمیں اُڑا کے کہیں دور در بدر لے جائے

میں چاہتی ہوں جو لمحہ ابھی یہیں کہیں ہے

وہ ایک جگنو جو چمکا ہے آس پاس کہیں

اُسے میں اپنی نگاہوں میں امر کر ڈالوں

کہ اِک یہی ہے وہ رشتہ، جو تم سے ناطہ ہے

خیال و خواب کی محفل سے جڑتا جاتا ہے

میرے کشمیر

وادیٔ شوق کے گل رنگ نظاروں کی قسم

تیرے رنگین فسانوں سے مہک آتی ہے

وہ مہک جس میں ترے شیر جوانوں کا لہو

بول اٹھتا ہے کہ تو مادرِ گیتی ہے مِری

تجھ سے اُلفت کا جو وعدہ ہے نبھائیں گے سدا

تو کہ رنگین خیالات کی کھیتی ہے مری

میرے کشمیر مرے پاک وطن کی شہہ رگ

تجھ سے جنت کی فضاؤں کی چہک آتی ہے

نغمۂ جاں

پھر کوئی نغمۂ جاں چھیڑ کہ شب باقی ہے
اَن سنا گیت کوئی رقص گہہِ انجم میں
اُلجھے اُلجھے ہوئے بالوں سے اُلجھتا ہوا گیت
مہکی مہکی ہوئی سانسوں میں سلگتا ہوا گیت
پھر سجایا ہے ہتھیلی پہ ترے نام کا دیپ
یوں ہَواؤں سے اُلجھتے ہیں سنبھل جاتے ہیں
سلسلے خواب کے، بدمست ہَوا کے ساتھی
دل میں اِک جوت جلاتے ہیں، بجھا جاتے ہیں
میرے تکیے پہ سجی ہے کوئی بے کل خواہش
سوچتی ہوں کہ اُسے نیند کی وادی لے جاؤں
اپنی سہمی ہوئی باہوں کا بنا کر گھیرا
سنگ اپنے ہی رکھوں، دور نہ ہونے پاؤں
اَن سنا گیت کوئی رقص گہہِ انجم میں
پھر کوئی نغمۂ جاں چھیڑ کہ شب باقی ہے

○

بھیس میں درویش کے نقلِ مکانی کے لئے
ٹھوکریں کھائیں ہیں کتنی عمرِ فانی کے لئے

دیر تک دیکھا کئے خالی سمندر، آسماں
چاند جیسے تھم گیا تھا ضوفشانی کے لئے

اُن تبسم خیز آنکھوں نے کہا، دل نے سنا
تھی ریاضت عمر کی اِس بے زبانی کے لئے

میرے گلشن کی حسیں یادو مجھے مت چھوڑنا
صرف یادیں رہ گئیں ہیں پاسبانی کے لئے

یوں سمندر میں رکھا کشکول ہے جو آج بھی
بے اماں ترسا رہا ہے بوند پانی کے لئے

○

اے غمِ دل یوں ہمیں برباد کر
بال و پَر جب چھِن گئے آزاد کر

کون ٹھہرا کس کے دَر پر کیا خبر
آ گیا گھر اُس کا اب فریاد کر

سوچ پر پہرے بٹھا کر سوچ لے
زندگی میں مرگ کو صیّاد کر

مٹ گیا بستی کا جب نام و نشاں
اب یہ کہتے ہو وطن آباد کر

ہم سفر منزل پہ کیوں ہے اجنبی
راستے کی دُھول کو بھی یاد کر

کھو گیا ہر خواب اور تیرا خیال
کیوں یہ کہتا ہے نظر ایجاد کر

میری آنکھوں نے کیا ہے اِک سوال
بے صدا لفظوں کی کچھ امداد کر

○

غم منائیں آج زعم و جاہ سے
مل گئیں راہیں کسی گمراہ سے

رات ڈھلنے کی کوئی اُمید ہو
غازۂ شبنم کی رنگیں آہ سے

خوش نصیبی اِس کو کہتے ہیں سبھی
لوٹ لے گر آ کے کوئی چاہ سے

ہم سمجھتے تھے بہت محفوظ ہیں
باندھ کر دل کو تری درگاہ سے

سرمئی بادل اُڑا کر لے گیا
جادوئی منظر مری شاہراہ سے

اِس قدر غافل ہیں اپنی ذات سے
نبھ رہی ہے ایک بے پرواہ سے

○

انجام ہو بخیر کوئی بے خبر نہ ہو
اُس حسنِ بے مثال کی ہم پر نظر نہ ہو

بے فیض ہی گزاریں ترے شہر کی رتیں
اِس کوچۂ بتاں میں کوئی نامور نہ ہو

موسم صعوبتوں کے گزارے تو ہیں مگر
ہم سا بھری بہار میں شوریدہ سر نہ ہو

کیا کچھ دعائیں مانگ کے گھر سے چلے تھے ہم
جس راہ پر چلیں وہ تری رہگزر نہ ہو

سوچا ہے اپنے غم کو تراشیں گے پیار سے
کوہِ گراں کے پار کوئی کوزہ گر نہ ہو

ٹھانی ہے آسماں سے مقدر سے بیر ہے
ہمراہ وہ چلے جو شریکِ سفر نہ ہو

پھیلی ہے چارسُو تری آہٹ کی چاندنی
یہ چاند، یہ خمار ترا نامہ بر نہ ہو

○

قریۂ دل کے مسافر کو خبر ہو جائے
تو جسے چھو کے گزر جائے امر ہو جائے

یوں سرِ بام ہی ٹوٹے گا ستاروں کا فسوں
میری پلکوں کا جو تارا ہے قمر ہو جائے

اِک سفر ہے کہ جو درپیش رہا ہے دل کو
ایک منظر ہے جو آنکھوں میں اَمر ہو جائے

منتظر ہیں کہ بہار آئے تو احوال کہیں
بات جو دل میں چھپی ہے وہ خبر ہو جائے

کاش اِک معجزہ ہو شام سے پہلے پہلے
اور پھر چاند کا جھیلوں سے گزر ہو جائے

رات خاموش ہے گزرے ہوئے منظر کی طرح
استعارہ ہے خموشی کا سحر ہو جائے

○

کیسے پھیلی خبر ہم نہیں جانتے
اور اُلجھی نظر ہم نہیں جانتے

رات دہلیز پر آ کے تھم سی گئی
کب ہو غم کی سحر ہم نہیں جانتے

چہرہ ہے گل کی مانند نکھرا ہوا
کس کی ہم پر نظر ہم نہیں جانتے

دھڑکنیں کون ترتیب دینے لگا؟
اے دلِ بے خبر ہم نہیں جانتے

یہ فضا، یہ ہَوا اور دریچے کھُلے
کون سا ہے نگر ہم نہیں جانتے

جانیے کیا کہ ہم کو کہاں لے چلے
راستہ پُرخطر ہم نہیں جانتے

بہتا دریا بہالے گیا ساتھ ہی
کیسے لعل و گہر ہم نہیں جانتے

○

ڈھونڈیئے جائے اماں کہ شہر اب ویران ہے
قُربتوں میں فاصلوں کا اِک نیا عنوان ہے

بستیوں پر چھا رہا ہے اِک سکوتِ بے کراں
اپنے غم میں رونے والی آنکھ بھی انجان ہے

خواہشوں کے سارے موسم تشنگی میں کٹ گئے
آج پھر دستک سی ہوتی ہے، کوئی مہمان ہے؟

ہم نے پہچانا نہیں شاید یہی ہے اپنا گھر
راستہ دیکھا خزاں نے جس کا وہ دالان ہے

قیدِ تنہائی تجھے رُسوا نہیں ہونے دیا
مسکرا کر کہہ دیا یہ رشتۂ پیمان ہے

آج لگتا ہے سمندر میں ہے طغیانی سی۔۔

آج لگتا ہے سمندر میں ہے طغیانی سی۔۔۔
جانے کس دہر سے آیا ہے یہ طوفانِ بلا
یہ جو طوفان کہ اِس میں ہیں کھنڈر خوابوں کے
ٹوٹتے خواب ہیں دُھندلی سی گزرگاہوں کے
اَن کہی کوئی کہانی کوئی جلتا آنسو
آ کے دامن پہ ٹھہرتا ہوا بے کل شکوہ!
چپ سی سادھی ہے مِرے بت نے
مگر آنکھوں میں۔۔۔
میرے ہر تاج محل کی ہے حقیقت واضح
جس میں رہتی ہے وہ شہزادی جِسے قدرت نے
دل دھڑکتا ہوا بخشا ہے بدن پتھر کا

میں نے دیکھا ہے کہ وہ رات کے اندھیاروں میں
اپنے خوابوں کے محل خود ہی جلا دیتی ہے
اپنے ٹوٹے ہوئے پَر خود ہی چھپا دیتی ہے
اپنے اشکوں کے دیے خود ہی بجھا دیتی ہے
خود ہی اپنے لئے لکھتی ہے سزاؤں کی کتاب
اپنے ہاتھوں سے چھپا دیتی ہے زخموں کے گلاب

آج لگتا ہے سمندر میں ہے طغیانی سی۔۔۔
آج لرزش سی ہے پیروں میں تھکن سانسوں میں
کرچیاں چبھنے لگی ہیں جو مِری آنکھوں میں
آج لازم ہے کہ چپ چاپ گزر جائے شام
کوئی آہٹ ہو نہ دستک نہ ہی چھلکے کوئی جام
آج آئینے سے کترا کے گزر جانا ہے
آج شب گھور اندھیرے میں اُتر جانا ہے
پھر نیا دن نئی مسکان جگا لائے گا
شب کا طوفان کناروں سے اُتر جائے گا
آج لگتا ہے سمندر میں ہے طغیانی سی۔۔۔

○

پھر خوابِ تخیل کو ترا نام ہے درپیش
اِک حادثہ اِس دل کو سرِشام ہے درپیش

موسم نے سنائی ہے خبر رنگ بدل کر
بادل کے برس جانے کا ہنگام ہے درپیش

دریا کے بہاؤ میں سبھی بہہ گئے ہم سر
افلاک کی گردش کو مرا نام ہے درپیش

باہر مَیں کڑی دھوپ سے ڈر کر نہیں نکلی
آنکھوں کو جو اندیشۂ آلام ہے درپیش

○

سنہرا جوبن، سنہری رنگت، سنہری شاموں کی ہے کہانی
سنہرے میرے تمہارے سپنے، سنہری ہاتھوں میں اِک نشانی

ہیں یاد اب تک تری وفائیں، تری نگاہوں کی بے قراری
یقیں ہے مجھ کو کہ تا ابد بھی رہے گی یادوں کی ضوفشانی

چلو مَیں تم سے سوال پوچھوں کہ عکس کیا تھا سمندروں میں؟
جہاں ملے تھے دھڑکتے دو دل، جہاں ملے تھے یہ آگ پانی

ہوائیں پھر سرسرا رہی ہیں، ستارے پھر جگمگا رہے ہیں
ہوں محوِ حیرت خزاں کے موسم میں آئی کیسے یہ رُت سہانی

ملال کیسا جو تُو نہیں ہے، ترے خیالوں کی روشنی ہے
اُداس گزرے گی پھر بھی لیکن گزر ہی جائے گی زندگانی

ہر ایک لمحہ جو کھو رہا ہے، پلٹ کے ہم سے یہ کہہ رہا ہے
کہ آج ہے یہ حسین موسم، پہ کل نہ ہوگی یہ مہربانی

○

ہستیٔ جاں کا نام رہنے دے
ہم سے اتنا کلام رہنے دے

دستکیں دے رہا ہے دل پہ کوئی
کس کا آیا پیام رہنے دے

آج دیکھا ہے خواب میں اُس کو
آج دن بھر کے کام رہنے دے

خوب ہے چاند کی نوازش بھی
حسن بالائے بام رہنے دے

خامشی کی صدا بھی تیری تھی
کسی نے بھیجا سلام رہنے دے

○

آئینہ دیکھا تو صورت اپنی پہچانی گئی
بھول ہی بیٹھے تھے خود کو عمر ارزانی گئی

اِک چراغِ دل بجھا تھا اور سناٹے کی شب
ضوفشاں تاروں کی مدھم خواب افشانی گئی

آج شاید ٹوٹ کر اُس نے کیا ہے ہم کو یاد
اِس ہوائے سرد کی رنگیں نادانی گئی

اب مجھے اس دل کے لُٹنے کا نہیں کوئی ملال
وائے شوقِ دل سلامت ہو پشیمانی گئی

جانیے کیا کیا دکھوں نے گھیر کر رُسوا کیا
چشمِ تر میں ڈوبتے تاروں کی حیرانی گئی

○

کیا ہو گر آسمان ہل جائے
جستجو کا گلاب کِھل جائے

تجھ کو چاہا ہے اِس لئے جاناں
مجھ کو میرا سراغ مل جائے

کشمکش ذات کی ہے اور یہ ضد
جان جائے مگر نہ دل جائے

ان ہَواؤں سے کیا شکایت ہو
چاکِ داماں اگر یہ سِل جائے

یہ بھی تو اتفاقِ دنیا ہے
یوں سرِراہ گر وہ مل جائے

○

گھر لوٹ کے جائیں گے تو پائیں گے اماں بھی
آنکھوں کی تھکن کرنے لگی راز عیاں بھی

یوں دل نہ بہاروں سے لگاؤ کہ سنا ہے
رستے میں محبت کے ہے اِک عہدِ خزاں بھی

گر تجھ سے الجھتی ہیں نگاہیں تو برا کیا؟
اِس دل میں تِری چاہ کا رہتا ہے گماں بھی

بدلے ہوئے موسم کو کوئی جا کے بتائے
نظروں کے بدلنے سے بدلتا ہے سماں بھی

بارش میں نہ بہہ جائے مِرا کچا گھروندا
بکھرا ہے جو اِس بار یہ خوابوں کا نشاں بھی

○

جو جنوں کی راہ پہ سر گیا
تو نصابِ فصلِ ہنر گیا

تھا مری اَنا کا شکستہ بت
وہ جو ریزہ ریزہ بکھر گیا

میرا ہر قدم تھا اُسی طرف
میں اُدھر گئی وہ جدھر گیا

اُسے منزلوں کی طلب نہ تھی
مرے پاس سے وہ گزر گیا

مجھے پھول چننے کی چاہ تھی
مرا دشت کانٹوں سے بھر گیا

بجھے خواب ہوں کہ چراغ ہوں
مجھے تنہا رات کا ڈر گیا

بڑی دور تک اُسے دیکھنا
وہ بچھڑ گیا تو سفر گیا

○

بدل گئی ہیں نگاہیں بدل گیا موسم
سراب جھیلنے والے کی پیاس ہے شبنم

ہوئی ہو مات جسے عمر بھر کے سودے میں
خسارہ کیا ہے اگر تُو بھی ہو رہے برہم

بجھا ہوا تھا وہ چہرہ تھکی تھکی سانسیں
کہ جیسے گھر کے اندھیروں میں ہو دیا مدھم

برس رہی تھیں وہ آنکھیں کہ مسکرا اُٹھیں
کہ جیسے دھوپ سے قوسِ قزح کا ہو سنگم

تری ہنسی کی کھنک گھُل گئی ہے بارش میں
ہر ایک بوند میں بجنے لگے ہیں سُر سنگم

O

چاند کے رُخ پہ ستارا دیکھوں
تیری پلکوں کا کنارا دیکھوں

کھو نہ جاؤں مَیں تری آنکھوں میں
ڈوب جانے کا اشارہ دیکھوں

یوں ہی دھیرے سے کہا کچھ اُس نے
کاش منظر وہ دوبارہ دیکھوں

بھیگے جنگل کی طلب تھی جس کو
دشتِ بے آب کا مارا دیکھوں

کون احساس کا احساس کرے
دل سے پتھر کو بھی پارہ دیکھوں

اُس کی آواز ہوئی ہے منظر
پیار سے اُس نے پکارا دیکھوں

○

وفا آغاز کرنا زندگی انجام کر دینا
بہت آساں نہیں یہ دل کسی کے نام کر دینا

مٹا دینا نشانِ دلبری اِس کوچۂ جاں سے
کبھی اُترو جو اپنے دل میں اتنا کام کر دینا

مہ و انجم کی محفل میں ہماری یاد گر آئے
ستارہ ڈھونڈ لانا اور پھر بے نام کر دینا

تری آنکھوں کی جنبش سے ہی دل کو ٹوٹ جانا تھا
کہ عادت ہے ہمیں ہر زخم اپنے نام کر دینا

○

رفاقتوں میں وفا کی گھڑی نہیں آئی
سفر بخیر یہ منزل کبھی نہیں آئی

تمہارے ساتھ کا صدیوں سے منتظر ہے کوئی
کہانیوں سے نکل کر پری نہیں آئی

اُسے سرور کے عالم میں جب بھی دیکھا ہے
خمارِ خواب میں دن بھر کمی نہیں آئی

بکھر کے ٹوٹ گیا مان موتیوں کی طرح
کسی کی آنکھ میں لیکن نمی نہیں آئی

برس رہا تھا بہت زور سے کہیں ساون
ہماری چھت پہ برستی جھڑی نہیں آئی

تمھارے نام سے دنیا ہمیں بھی یاد کرے
محبتوں میں یہ منزل ابھی نہیں آئی

بھٹک رہی تھیں نگاہیں، تلاش تھی جس کی
تمام عمر چلے وہ گلی نہیں آئی

○

مختصر نہیں ہوتے راستے محبت کے
جنگلوں سے گزرے ہیں قافلے محبت کے

ہم سے دل لگانا بھی کام ہے خسارے کا
سہہ سکو گے تم جاناں سانحے محبت کے

کس طرح سے روکو گے دور کے مسافر کو
لاکھ چاہے دے ڈالو واسطے محبت کے

اچھے خاصے انساں تھے پھر ہُوا اچانک یوں
اُن کو ہوگئے لاحق عارضے محبت کے

کس وفا کی باتیں ہیں، کون ہجر سچا ہے؟
زندگی گنوا دی ہے سامنے محبت کے

کس نے کس کو چھوڑا ہے، کس نے راہ بدلی ہے
آج طے کرو جانم حادثے محبت کے

دو قدم کی دوری تھی حوصلہ نہ تھا لیکن
طے نہیں ہوئے ہم سے فاصلے محبت کے

○

نامہ بر روشنی ہے تاروں کی
کیا ضرورت ہے استعاروں کی

جل پری کھو گئی ہے موجوں میں
کچھ تو اُمید ہو کناروں کی

میری آواز رہ گئی ہے وہیں
گونج سنتی ہوں کوہ ساروں کی

خود کو ڈھونڈا ہے ڈوب کر خود میں
اب ضرورت نہیں سہاروں کی

تیرے آنے سے رات مہکی ہے
چھِڑ گئی راگنی ستاروں کی

یاد کا کہر ہے کہ خواب کوئی
دھند چھٹتی نہیں نظاروں کی

گھر سے بیٹی جو ہوگئی رخصت
چال بوجھل ہوئی کہاروں کی

ریت کا مسافر

ریت کا مسافر تھا، رات کی حویلی میں
صرف رات بھر ٹھہرا، جوگ لے لیا اُس نے
ریت کی ہتھیلی سے پھول ریت کے چُن کر
خواب کی سہیلی سے روگ لے لیا اُس نے

صرف ایک لمحے کی مختصر کہانی کو
ریت کے مسافر نے یوں اَمر بنا ڈالا
کاسۂ محبت میں لے کے بھیک لفظوں کی
آرزو کی آنکھوں میں اشکِ تر بنا ڈالا

کون اب تجھے جانے، کون یاد رکھے گا
وقت کی اُڑانوں کے کون آسمانوں میں

تُو نے روگ پالا تھا، کس طرح گزارا تھا
ایک پل کے جیون کو اجنبی مکانوں میں
آج اپنے شاعر کو یہ ہمیں بتانا ہے
تو جو آگ میں جل کر گلستاں بناتا ہے
حرف حرف چُن چُن کر موتیوں کی لڑیوں سے
صبح کے ستاروں تک صحنِ دل سجاتا ہے

جو بھی تُو نے لکھا ہے صرف تیری پونجی ہے
صرف ایک لمحہ ہے، صرف ایک ساعت ہے
وقت کے سمندر میں صرف اِک یہی لمحہ
بے کراں علامت ہے جذبِ دل کی چاہت ہے

○

مقابل کون ہے اُس کی نظر کا
ہیں آنکھیں یا کوئی جادو شرر کا

اُسے دیکھے ہوئے اِک عمر گزری
وہ باسی تھا اِسی بوڑھے شجر کا

فقط لمحوں کو اُس نے چھب دکھائی
پڑا تھا عکس جھیلوں میں قمر کا

دماغ و دل میں کچھ ٹھن سی گئی ہے
ہوا ہے سامنا پھر خیر و شر کا

وہ آئے اور میرے پاس بیٹھے
یہی اِک خواب تھا وقتِ سحر کا

نہ جانے کھو گیا کیونکر مسافر
یہی رستہ تھا اُس کی رہ گزر کا

بہت ممکن ہے لوٹ آئے بلا لو
اگر ہے حوصلہ اُس کی نظر کا

یقیں آتا نہیں ہے دل کو میرے
ہے کوئی منتظر اپنی خبر کا

○

خبر یہ عام سرِ کوئی یار کرنا ہے
وفا کی راہ میں دل بے قرار کرنا ہے

کہاں چلے شبِ فرقت کے جاگنے والے
ابھی تو تیرہ شبی کو نگار کرنا ہے

کہا یہ کس نے کہانی تمام شد جانم
اِک آرزو جو ہمیں سوئے دار کرنا ہے

جو پوچھتے ہو کہ کیا کام ہے محبت میں
شبِ فراق کے دامن کو تار کرنا ہے

ہے دوریوں کا سفر اور تھکان آنکھوں میں
جو درمیان ہے رستہ غبار کرنا ہے

○

نہ خم رہے گا نہ ابرو پہ بار ٹھہرے گا
جواز تیری محبت کا یار ٹھہرے گا

نہ جانے کتنی مسافت تھکن میں ڈوبی ہے
ٹھکانہ اُس کا سمندر کے پار ٹھہرے گا

بھٹک رہی ہوں بہت اِک طویل مدت سے
یہ قافلہ تو سرِ کوئے یار ٹھہرے گا

صدائے شام پکارے گئی تھی نام ترا
شفق کا رنگ غمِ پائیدار ٹھہرے گا

میں منتظر ہوں کہ منظر ذرا نظر آئے
کہ میری راہ سے کب تک غبار ٹھہرے گا

تین شعر

بارشوں نے داغِ دل، دل سے مِرے دھویا نہیں
خار فصلِ گل مَیں کاٹوں جو کبھی بویا نہیں

اپنے ہونے اور نہ ہونے کا یہاں کس کو ملال
بزمِ دنیا میں رہی ایسے کہ مَیں گویا نہیں

وہ تبسم خیز آنکھیں جھلملا کر رہ گئیں
کہہ رہا تھا وہ مجھے مَیں رات بھر سویا نہیں

○

حصارِ عشق سے پنچھی نکلنا چاہتا ہے
حدودِ ارض و سما سے گزرنا چاہتا ہے

شمار ہوتا ہے گردوں میں شیشۂ دل کا
جو ٹوٹتا ہے تو تاروں میں ڈھلنا چاہتا ہے

میں کس کی راکھ پہ ماتم کا کاروبار کروں
کہ سارا شہر ہی فتنے میں ڈھلنا چاہتا ہے

بھٹک کے راستہ جنگل سے جا ملا اکثر
یہ کون مجھ میں مجھی سے اُلجھنا چاہتا ہے

اُتر رہا ہے سرِ شام سے ہی آنکھوں میں
ہے عکس میرا مگر تجھ میں ڈھلنا چاہتا ہے

○

پیاس ہونٹوں پہ رکھے ہاتھ میں ساگر دیکھا
اُس کی آنکھوں میں چھپا ہم نے سمندر دیکھا

اِک شبیہہ ہے جو نظر آتی ہے چاروں جانب
دل کے آئینے سے ٹکرائے وہ پتھر دیکھا

چند پھولوں سے سنور جاتا ہے معصوم شباب
کچھ ہی کلیوں سے مہک جائے وہ زیور دیکھا

خاک کا رین بسیرا تھا مگر دل کا کبیر
اپنی ہی ذات میں اِک شخص قلندر دیکھا

ہم نہیں ہیں مگر آباد ہے رونق پھر بھی
کوچۂ جاں سے گزر جانے کا منظر دیکھا

○

دشمن میں اور دوست میں پہچان ہوگئی
اے زندگی تو اب مجھے آسان ہوگئی

اُس کی نگاہ میں جو نظر عکس آ گیا
مَیں آئینے کے سامنے حیران ہوگئی

کچھ دیر کو ٹھہر کے چلی رت بہار کی
اِک پل کو جھانکتی خوشی مہمان ہوگئی

صدیوں کے بعد وہ نظر آیا جو راہ میں
اِک کرب کی صدا تھی کہ مُسکان ہوگئی

تجھ سے وفا کا ربط ہی باقی نہ جب رہا
بستی بسی ہوئی تھی کہ ویران ہوگئی

پوچھے کوئی جو آپ سے میرا پتا کبھی
کہنا کہ خواب تھی جو پریشان ہوگئی

○

چاندنی رات ہے دعا کیجے
ایک در روشنی کا وا کیجے

ہم نے مانا کہ بے وفا ہے بہت
زندگی سے مگر وفا کیجے

گفتگو ایک مسئلہ ٹھہری
اب اشاروں پہ اِکتفا کیجے

وہ سمجھتے نہیں ہماری بات
کیا نہ کیجے حضور کیا کیجے

منتظر آنکھ ڈھونڈتی ہے تمھیں
بام پر اِک دیا دھرا کیجے

پھر سکوں کی اُداس تنہائی
پھر نئے غم سے مشورہ کیجے

قطعات

خرد کے ساتھ گزاریں ہیں منزلیں کتنی
جنوں میں ڈوب گئیں ہیں جو وحشتیں کتنی

''بقا اُسی میں تری ہے کہ تو فنا ہو جا''
اُتر گئیں ہیں سمندر میں بارشیں کتنی

خیال ڈوب رہا ہے مہیب ماضی میں
ترے خیال کو چھولوں قریب سے اِک بار

شبِ وصال مرے در پہ آ کے لوٹ گئی
کہ مہربان ہوئی تھی نصیب سے اِک بار

○

زندگی کا غبار تھے ہم تو
اک غمِ پائیدار تھے ہم تو

یوں جہاں سے گزر ہوا اپنا
لمحۂ اختصار تھے ہم تو

بے پناہی کی سرد راتوں میں
خود سے ہی شرمسار تھے ہم تو

یوں فنا ہوگئے خموشی سے
عشق کی یادگار تھے ہم تو

اک دیا ہاتھ میں لئے شب بھر
وعدۂ انتظار تھے ہم تو

ہجر جھیلا، دعائیں دیں تم کو
اک سراپا وقار تھے ہم تو

ہم کو کچھ کام محفلوں سے نہیں
ایک درویش یار تھے ہم تو

چاند کیوں ڈھونڈنے نکل آیا
چھت پہ اختر شمار تھے ہم تو

راستہ کیوں بدل لیا تم نے؟
دوست تھے یارِ غار تھے ہم تو

ہم کو بھولے ہو کوئی بات نہیں
یونہی اِک خاکسار تھے ہم تو

بدگمانی سی بدگمانی ہے
آپ کے غم گسار تھے ہم تو

○

دل کی لگی سے چین نہ پائیں تو کیا کریں
تیری گلی میں جائیں نہ جائیں تو کیا کریں

اس تیرگی میں بن کے کرن یاد آ گئی
جگنو تمھاری یاد کے آئیں تو کیا کریں

جنگل کا راستہ ہو، سرِ شام کا سفر
رنگِ شفق بھی رنگ جمائیں تو کیا کریں

جن راستوں پہ تم تھے مرے ہم سفر کبھی
گونجیں وہاں تمھاری صدائیں تو کیا کریں

یوں چاند آسماں پہ اچانک ٹھہر گیا
تاروں کی راگنی وہ سنائیں تو کیا کریں

وقت

میں نے صدیوں کا بار اُٹھایا ہے
میں شجر ہوں تری رفاقت کا
میری ہر سانس سینچتی ہے نمو
دھوپ میں روپ ہوں تمازت کا

میں نے دیکھے ہیں سارے حزن و ملال
میں نے خوابوں کو زندگی دی ہے
اپنے افکار کے تسلسل سے
اِن اندھیروں کو روشنی دی ہے

میری آغوش میں پناہ تری
ہوں میں اِذن سفر ہَواؤں کا
میرے سائے میں سکھ کے نغمے ہیں
سازِ دل سوز ہوں وفاؤں کا

میری منزل مگر نہیں کوئی
ہوں میں تنہا بھرے زمانے میں
میری تنہائی کو زوال نہیں
عکس بے رنگ ہیں فسانے میں

میری نظریں جو آسمان پہ ہوں
پاؤں میرے زمیں پہ رہتے ہیں
میرے ہم راز صرف ارض و سما
گوشۂ دل میں درد پلتے ہیں

میں ہمیشہ سے تھا ہمیشہ ہوں
کارواں زیست کے بدلتے رہے
کون جانے کہ اِن خلاؤں میں
میری آنکھوں کے دیپ جلتے رہے

مجھ کو جس کی تلاش ہے کب سے
وہ ستارہ کبھی طلوع نہ ہوا
منتظر ہوں ہزار صدیوں سے
اُس سفر کا کہ جو شروع نہ ہوا!

○

خواب جو روحِ رواں تھے پہلے
زندہ رہنے کا گماں تھے پہلے

اب کوئی کوچہ ملامت کا نہیں
اشک آنکھوں سے رواں تھے پہلے

گرد اُڑتی ہے وہاں پر اکثر
روزنِ شوق جہاں تھے پہلے

اس کی وارفتہ نگاہی کو سلام
ایسے جذبات کہاں تھے پہلے

سوچتی ہوں کہ جہاں کیا معنی
آپ ہی جانِ جہاں تھے پہلے

○

سوچتی ہوں میں لیکن سوچتے ہو کیا تم بھی
آسمان تاروں کا کھوجتے ہو کیا تم بھی

ہم کلام مجھ سے ہے ایک میری خاموشی
گھر کے سونے آنگن میں بولتے ہو کیا تم بھی

اک مری خموشی ہے اک طرف زمانہ ہے
خال و خد خموشی کے کھولتے ہو کیا تم بھی

کچھ حروف خواہش کے رات کو چمکتے ہیں
حرف حرف کرنوں کو تولتے ہو کیا تم بھی

پھر بہار آئی ہے اور پکار آئی ہے
''پی کہاں'' کا میٹھا رس گھولتے ہو کیا تم بھی

○

چھا گیا ہے بستی پر پھر ملال کا موسم
کوچ کر چلو صاحب ہے زوال کا موسم

کیا تمھیں بتائیں ہم قصۂ بتاں جاناں
ذہن میں ہراساں ہے اِک سوال کا موسم

روز و شب کی چکی میں پس کے رہ گئے ورنہ
آ گیا تھا چوکھٹ تک پھر وصال کا موسم

قید سے جو نکلے ہم دشت میں پناہ پائی
راس آ نہیں سکتا اعتدال کا موسم

خامشی کا محور ہیں اُس کی بولتی آنکھیں
ختم ہوگیا جاناں قیل و قال کا موسم

بارشوں کی رِم جِھم میں درد کے کھُلے صحرا
روپ کی کہانی ہے اِک کمال کا موسم

○

جاں سے جائیں تو کیا تماشہ ہو
خوں رُلائیں تو کیا تماشہ ہو

یوں اچانک تمھاری محفل سے
اُٹھ کے جائیں تو کیا تماشہ ہو

خامشی کے مدھر تلاطم میں
گیت گائیں تو کیا تماشہ ہو

یاد رکھنا ہماری عادت ہے
بھول جائیں تو کیا تماشہ ہو

کہہ رہیں ہیں جو سوچتی آنکھیں
ہم بتائیں تو کیا تماشہ ہو

ٹوٹ جانے کی ہو گھڑی لیکن
مسکرائیں تو کیا تماشہ ہو

○

سانس جب تک رہے گی سینے میں
درد شامل رہے گا جینے میں

زندگی صرف آبگینہ تھی
سات تھے رنگ آبگینے میں

کھو گیا وہ، جو آ گئی منزل
میرے ہمراہ تھا سفینے میں

اُس نے وعدہ کیا تھا امرت کا
زہر جو دے گیا ہے پینے میں

تجھ کو کنگن بنا لیا میں نے
تھی شباہت تری نگینے میں

ابر برسیں کہ اشک برسیں گے
ہوگی برسات اِس مہینے میں

○

ڈھونڈ آتے ہیں کوئی لعل و گہر پانی میں
آزماتے ہیں چلو اپنا ہنر پانی میں

دل میں طوفاں سے اُلجھنے کا سمایا سودا
ڈوب جائے نہ کہیں اپنا ہی گھر پانی میں

ایک کشتی ہے ، سمندر ہے ، اکیلے ہم ہیں
کس طرح ختم کریں اپنا سفر پانی میں

آنکھ یوں ڈوب کے اُبھری ہے تری یادوں سے
جس طرح کوئی بسایا ہو نگر پانی میں

کس عقیدت سے برستا ہے برستا پانی
جیسے تریاق کا رکھا ہو اثر پانی میں

○

ڈھونڈ آتے ہیں کوئی لعل و گہر پانی میں
آزماتے ہیں چلو اپنا ہنر پانی میں

دل میں طوفاں سے اُلجھنے کا سمایا سودا
ڈوب جائے نہ کہیں اپنا ہی گھر پانی میں

ایک کشتی ہے ، سمندر ہے ، اکیلے ہم ہیں
کس طرح ختم کریں اپنا سفر پانی میں

آنکھ یوں ڈوب کے اُبھری ہے تری یادوں سے
جس طرح کوئی بسایا ہو نگر پانی میں

کس عقیدت سے برستا ہے برستا پانی
جیسے تریاق کا رکھا ہو اثر پانی میں

○

رازِ دل پھر عیاں نہ ہو جائے
ہو نہ جائے دھواں نہ ہو جائے

پوچھتے ہو کہ کون ہے جانم
بتِ کافر زباں نہ ہو جائے

راہبری اُن کا مشغلہ ٹھہری
راستہ الاماں نہ ہو جائے

کیوں بھری بزم میں پکارے ہو
بارِ خاطر گراں نہ ہو جائے

اِک فقط خواب دیکھنے کی سزا
داؤ پر آشیاں نہ ہو جائے

لوگ کہتے ہیں تجھ کو دوست مرا
تو مرا ہم زباں نہ ہو جائے

○

مثل ملتی نہیں نظیروں میں
ہیں جو درویش ہم فقیروں میں

ساری دُنیا تیاگ دی ہم نے
ہوگئے ہیں جو ہم امیروں میں

رو دیا ہاتھ پڑھنے والا بھی
جانے کیا پڑھ لیا لکیروں میں

تیری آواز آ رہی ہے کہیں
یاد کے بے کراں جزیروں میں

بیچ ڈالا سکون بستی کا
کون غدار تھا وزیروں میں

اب نہ پچھتایئے بھُلا کے اُسے
دل بھی شامل رہا مشیروں میں

○

جل رہا ہے چراغ مدھم کیا
ساتھ جلتا رہے گا یہ غم کیا

کیا برستی رہے گی یہ برکھا
رنج دل میں رہے گا پیہم کیا

کیوں تمھیں فکر سی ہماری ہے
زخم دے کر دیا ہے مرہم کیا

نیم خوابی تمھاری آنکھوں کی
کھِل رہا ہے گلاب کم کم کیا

جس گھڑی تم جدا ہوئے ہم سے
اُس گھڑی آسمان تھا نم کیا

○

غم سے نڈھال کیوں مِرے سرکار ہو گئے
ذکرِ وفا نہ چھیڑ کہ بیمار ہو گئے

منزل سے جا لگے تو سفر یاد آ گیا
ساحل ہمارے واسطے منجھدار ہو گئے

دل کی لگی نہ جانیئے ہم ہیں وفا شناس
تھی مصلحت جو آپ سے بیزار ہو گئے

اِک ٹک تمہی کو دیکھ رہے تھے مگر جناب
انگڑائی لے کے نیند سے بیدار ہو گئے

کل تک ہمارے ساتھ رہے تھے جو ہمسفر
غیروں کا بھیس اوڑھ کے اغیار ہو گئے

○

اے میرے دل کے چین مرا انتظار دیکھ
گزری ہے عمرِ شوق بڑی سوگوار دیکھ

سوچا کئے کہ آج کہیں حالِ دل اُسے
موسم بدل رہا ہے بہت بے قرار دیکھ

اس دھوپ میں تو جلنے لگے سائے شہر کے
آنکھوں میں بجھ گیا ہے جو ذوقِ شرار دیکھ

شمعیں جلیں ہیں، جشنِ غم دوستاں ہے آج
غم سے ہے میرا عشق بہت پائیدار دیکھ

عمرِ عزیز گزری ہے گلشن سنوارتے
آئی ہے شام دامنِ صد داغدار دیکھ

○

کس کس کو یہاں اپنا جہاں یاد رہے گا
جی جان سے جائے گا، گماں یاد رہے گا

وادی تھی محبت کی، محبت کا مکاں تھا
اٹھتا ہوا چمنی سے دھواں یاد رہے گا

کس طور سے گزرے ہیں ترے شہر میں دن رات
مہکی ہوئی یادوں کا سماں یاد رہے گا

کچھ اُس نے کہا تھا، ہمیں کچھ یاد نہیں ہے
یک جنبشِ مژگاں کا بیاں یاد رہے گا

ہم بھول ہی جائیں گے تمھیں وقت ہے ظالم
اِک رازِ محبت کا نہاں یاد رہے گا

○

آپ سے جو اِک نظر باتیں کریں
زندگی سے بے خطر باتیں کریں

رات بھر تاروں سے کیں اٹکھیلیاں
کیا رہا رنگِ سحر باتیں کریں

اپنے ہونے اور نہ ہونے کا جواز
کوئی ہو جو دیدہ ور باتیں کریں

جھومتی ہے کہکشاں چھایا سرُور
تال پر شمس و قمر باتیں کریں

نرم ٹھنڈے جھلملاتے خواب ہیں
خواب میں اے ہمسفر باتیں کریں

کھیلنا الفاظ سے، اشعار سے
راس آیا کیا ہنر، باتیں کریں

اَن کہے لفظ۔۔۔

وہ سارے لفظ جو لکھے نہیں گئے ہیں ابھی
مِرے لہو میں رواں ہیں صداقتوں کی طرح
مَیں بوند بوند حقیقت کا زہر پیتی ہوں
میں اشک اشک سلگتی ہوں رت جگوں کی طرح

وہ سارے لفظ جو لکھے نہیں گئے ہیں ابھی
خیالِ کُن کی صداؤں کے منتظر ہیں ابھی
زمینِ خلد میں کلیوں کی آبیاری کو
مِرے خیال کے انفاس معتبر ہیں ابھی

رہائی دینے کو بے چین ہیں مِری آنکھیں
کہ اشک بن کے ٹپک جائیں میری تحریریں

میں شام کے سبھی منظر ہَواؤں میں دیکھوں
اُجالے بن کے بکھر جائیں میری تصویریں

وہ سارے لفظ جو لکھے نہیں گئے ہیں ابھی

میں سوچتی ہوں اِن الفاظ کی خموشی کو
بسیط بحر کی گہرائیاں عطا کردوں
وہ قافلے کہ جو محصور ہیں خرابوں میں
جرس کی گونج کی مانند اِنھیں رہا کردوں

وہ سارے لفظ جو لکھے نہیں گئے ہیں ابھی!

○

آنکھوں سے بہہ گیا تو نکلنے کی دیر تھی
آنسو جو بن کے خاک بکھرنے کی دیر تھی

کمھلا گئے تھے پھول، خزاؤں کا شور تھا
آئی بہار اُن کے سنورنے کی دیر تھی

اِک چاند آ گہی کا مِری چھت پہ آ گیا
پھر اُس کے بعد رُت کے بدلنے کی دیر تھی

منزل کا راستہ بھی نگاہوں میں آ گیا
گر کر مِرے رفیق سنبھلنے کی دیر تھی

ماضی کے سب نقوش مجھے یاد آ گئے
اِک پل تری نگاہ ٹھہرنے کی دیر تھی

کارِ جہاں میں دل نہ لگا پھر کبھی مِرا
ایفائے عہد اُن کے مکرنے کی دیر تھی

○

کون جانے کیا ہو اب انجام کا
فتنہ ہائے روز و شب ہنگام کا

پھر قضا اِک ذمہ داری دے گئی
مرثیہ لکھوں کسی بے نام کا

ڈوب جانے تک ہمیں تم دیکھنا
آسرا ہوگا تمھارے نام کا

بے صدا الفاظ کچھ کہنے لگے
چھِڑ گیا قصّہ وہی آلام کا

شاعری میری ضرورت تو نہیں
ربط باقی ہے مِرے الہام کا

رنگ موسم پھر سجا لائی حیات
آ گیا نامہ مِرے گلفام کا

○

زیرِ لب جس کا نام ہوتا ہے
دل میں اُس کا مقام ہوتا ہے

پھر ہوا بوئے گل چرا لائی
جانیئے کیا پیام ہوتا ہے

جگنوؤں نے سجائے ہیں منظر
رات کا اہتمام ہوتا ہے

کیوں خسارے کا کام کرتے ہو
دل کا سودا حرام ہوتا ہے

''زندگی بھر وفا نبھائیں گے''
کتنا دلکش یہ دام ہوتا ہے

تیری محفل میں بارہا آئے
سوچیئے کچھ تو کام ہوتا ہے

O

سنتے ہیں اس کی نیند ہے راتیں چراغ کی
منظر بھی خواب ناک ہے باتیں ایاغ کی

موسیٰ کی طرح کون عصا لے کے آ گیا
جادو کمال ہے تو بصیرت دماغ کی

چڑھتے ہیں ہم بھی طور پہ دیدارِ یار کو
دل حسرتوں سے پاک ہے، جھولی فراغ کی

دورِ خزاں میں ذکر رہا باغبان کا
شاید اُسے بھی یاد ستاتی ہو باغ کی

یوں مسکرا کے ملتے ہیں تنہائیوں سے ہم
اِتنی تو ہم نے رکھی ہے حرمت یہ داغ کی

بھولے سے آپ بھی کبھی آ جایئے حضور
سندیس کی صدائیں سنی ہیں جو زاغ کی

○

نغمۂ دل کی صدا ہو جیسے
تیرے آنے کی دعا ہو جیسے

خوب نکھرے گا تری رنگت پر
لالۂ شوق کِھلا ہو جیسے

صبح اِک خواب کی صورت اُتری
تیری آہٹ کی صدا ہو جیسے

یوں تجھے یاد کیا ہے دل نے
شاملِ حال خدا ہو جیسے

تجھ کو یوں ڈھونڈ رہی ہوں ہر سُو
ایک گم گشتہ پتا ہو جیسے

امر لمحہ

بارشوں کے موسم میں
اجنبی سی راہوں میں
اس طرح تمہیں ملنا
اور پھر بچھڑ جانا
یاد پھر دلاتا ہے
کہ ابھی گلابوں کی
موتیے کے پھولوں کی
شوخ تتلیوں جیسی رُت ابھی بھی باقی ہے
روح کے سفر میں ہم
مل چکے ہیں پہلے بھی
ماہ و سال کی گردش پاس لے کے آئی تھی
اور پھر یہی گردش دور لے گئی ہم کو
زندگی کے سرکس میں کون کب ملے ہم سے
کون دُور جاتا ہے
بس یہی وہ لمحہ تھا
جو امر تھا پہلے بھی
اور اب بھی ہے شاید!

○

بچپن کے دوست تجھ سے محبت عجیب تھی
ملتے نہیں تھے پھر بھی رفاقت عجیب تھی

ہے یاد آج بھی وہ گھروندہ تھا ریت کا
شدّت کی دھوپ تھی وہ تمازت عجیب تھی

ساحل پہ دُور تک وہ قدم ساتھ ساتھ تھے
موجوں کی چھیڑ چھاڑ تھی ، سنگت عجیب تھی

کہنے کو کچھ نہیں تھا ، کہانی رہی خموش
لیکن ہمارے عشق کی شہرت عجیب تھی

ہر لمحہ ساتھ ساتھ رہا تھا وہ ہم سفر
اس خوش گمان شخص کی ہجرت عجیب تھی

جاتے ہوئے وہ آنکھ ملا کر نہیں گیا
کیا جانیئے کہ اس سے عداوت عجیب تھی

شکوہ کبھی زبان پہ آیا نہیں مگر
ہم سے ملی نظر تو ندامت عجیب تھی

○

بات شاید نہ کہہ سکوں تم سے
دل کی دل میں رہے گی اب شاید

تم سے مل کر کلی جو مسکائی
پھول بن کر کھلے گی اب شاید

سوچتی ہوں یہ پیاس آنکھوں کی
نا کبھی بجھ سکے گی اب شاید

تیری تصویر میرے خوابوں میں
ہو بہو ہی رہے گی اب شاید

ان کہی تیرے میرے جذبوں کی
اک فسانہ بنے گی اب شاید

بھیگے موسم میں، سُونی راہوں پر
یاد پیروں پڑے گی اب شاید

اک ملاقات، ایک تنہائی
روگ بن کر ڈسے گی اب شاید

ہَوا کے ہاتھ

ہَوا کے ہاتھ پہ لکھا ہے تیرے نام یہ خط
کہ جس میں اِس دلِ گمنام کی کہانی ہے
ادھورے خواب کی رنگین خامشی اوڑھے
اکیلی راہ پہ بچھڑی ہوئی جوانی ہے

ہَوا کے ہاتھ پہ لکھے ہیں وہ سبھی شکوے
کہ جو نظر سے کبھی کُنجِ لب پہ آ نہ سکے
وہ سب خیال مِرے منتشر ہَواؤں سے
کسی بھی نکتۂ معنی پہ سر جھکا نہ سکے

میں اِن ہَواؤں سے کہہ دوں کہ اُن سے جا کے کہیں
یہ رات اب بھی اُسی چاند کو بلاتی ہے
بکھیرتے ہیں ستارے جو روپ کا کندن
نگاہِ شوق اُسی راستے پہ جاتی ہے

ہَوا کے ہاتھ پہ لکھا ہے تیرے نام یہ خط۔۔۔

○

بے قراری نہیں محبت سی
اور محبت نہیں رفاقت سی

جانے کیوں یاد آئے جاتی ہے
اک کہانی رہی جو تہمت سی

چُھو لیا خواب میں ستاروں کو
کہکشاں بن گئی حقیقت سی

آئینوں میں تلاش کرتی ہوں
ایک لڑکی تھی خوبصورت سی

دوستی ہے کہ دشمنی جانم
دل میں جو رہ گئی کدُورت سی

مات کھائی ہے زندگی تجھ سے
تیری ہر چال تھی سیاست سی

کچھ نہ کہہ پائیں سوچتی آنکھیں
تجھ کو جانے کی تھی جو عجلت سی

دوست سمجھا تھا تجھ کو جانِ جہاں
درمیاں کیوں رہی رقابت سی

☆☆☆

وہی اداسی تمہاری ساتھی

تمہارے بچپن کے ساتھ کھیلی

مدھر جوانی میں ساتھ دی

وہی اداسی جو آنکھ سے اب چھلک گئی ہے

لبوں پہ آ کر رُکی ہوئی ہے

جو شکل خوش پر ٹھہر گئی ہے

ارشد معراج